خونی پہلو
اشتیاق احمد

اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول
اس ماہ کے ناول
جنون کا طوفان
خونی پہلو
آئندہ ماہ کے ناول
پیغام کا بھوت
اشتیاق پبلی کیشنز

محمود ● فاروق ● فرزانہ ● انسپکٹر جمشید
اور ـــ شوکی برادرز کا منی خاص نمبر
ناول نمبر ۳۲۶
خونی پہلو
اشتیاق احمد
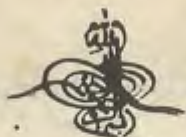
محمود • فاروق • فرزانہ • انسپکٹر جمشید
اور — شوکی برادرز کا رمنی خاص نمبر
ناول نمبر ۳۲۶
خونی پہلو
اشتیاق احمد

نام ناول ـــــ خونی پہلو

طابع ـــــ اشتیاق احمد

بار اول ـــــ یکم مئی ۱۹۸۹ء

مطبع ـــــ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

قانونی مشیر ـــــ شمیم احمد ایڈووکیٹ

کتابت ـــــ سعید نامدار

سرورق ـــــ محمد جاوید چغتائی

قیمت ـــــ ۱۶/۰۰ روپے

سالانہ قیمت ـــــ ۱۸۰/۰۰ روپے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، مسلمان مسلمان کا (دینی) بھائی ہے، کوئی مسلمان کسی مسلمان پر نہ تو ظلم کرے، نہ اس کو رسوا ہونے دے اور نہ اسے ذلیل و حقیر سمجھے، تقویٰ اس جگہ ہے۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تین مرتبہ سینے کی طرف اشارہ کیا اور پھر فرمایا، انسان کے لیے اتنی بُرائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر اور ذلیل جانے، مسلمان کی ساری چیزیں مسلمان پر حرام ہیں، یعنی مسلمان کا خُون، مسلمان کا مال، مسلمان کی آبرو ـــ

(ترمذی شریف)

○

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، ایک مومن دوسرے مومن

کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصّہ دُوسرے حصّے کو مضبوط کرتا ہے۔

(ترمذی شریف)

○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے، لہٰذا اگر وُہ اس میں کوئی بُرائی یا خرابی یا عیب دیکھے تو اسے دُور کر دے۔

(ترمذی شریف)

○

حضرت ابی داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جس نے اپنے بھائی کی عزت اور آبرو پر ہونے والے حملے کو روک لیا اور اس کو دُور کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے آگ کو دُور کر دے گا۔

(ترمذی شریف)

السلام علیکم! "جنوں کا طوفان" کی دو باتیں آپ نے پڑھ ہی لی ہیں۔ اب "خونی پہلو" کی بھی پڑھ لیں، بہت مہربانی ہوگی۔ ویسے آپ اس شخص کی حالت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جسے ہر ماہ تین تین دو باتیں لکھنا پڑ رہی ہوں۔ کہنے کو تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ میاں کون سی قیامت آگئی، اگر تین تین دو باتیں لکھنا پڑ گئیں۔ پہلے بھی تو چار ناولوں کی چار دو باتیں لکھا کرتے تھے، بھول گئے وُہ دن۔ جی نہیں، بھولا نہیں، لیکن وُہ دو باتیں بہت ننھی منّی سی دو باتیں ہوتی تھیں۔ سوچ رہا ہوں، منی خاص نمبروں کی بھی اسی قسم کی دو باتیں لکھ دی جایا کریں۔ آدھ پون صفحے کی اور بس نیچے دستخط۔ ہو گئیں دو باتیں۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ چلنے دیں۔ جیسی بھی لکھ دیتا ہوں۔ قبول کر لیا کریں۔ اور درویش کی صدا کیا ہے۔ اتنا تھوڑا ہے کہ آپ اس ماہ ایک منی خاص نمبر کی بجائے دو منی خاص نمبر پڑھ رہے ہیں اور اگر یہ تجربہ کسی قدر خوش گوار

رہا۔ یعنی میں ناخوش گواریوں سے بال بال بچا تو گرمی
کی چھٹیاں ختم ہونے سے پہلے پہلے ایک بار اور دہرایا
جائے گا۔ آپ ذہنی طور پر تیار رہیے گا، لیکن نہیں۔
صرف ذہنی طور پر تیار رہنے سے کیا کسی کا بھلا ہو سکتا
ہے۔ دراصل ضرورت تو جیبی طور پر تیار رہنے کی
ہے۔ اور یہ ان دنوں کوئی خاص مسئلہ نہیں۔ یعنی
امتحانات میں کامیابی کے بعد۔ ظاہر ہے۔ آپ کو نقد
انعامات وغیرہ ملے ہی ہوں گے۔ بس ضرورت اس
امر کی ہے کہ آپ ان پیسوں کو فضولیات میں صرف
کرنے سے بال بال بچ جائیں۔ انہیں ڈبل خاص نمبروں
کے لیے بچا کر رکھ لیں۔ اس کا یہ فائدہ تو ہوگا ہی کہ
آپ کو دونوں ناول مل جائیں گے، لیکن سونے پر
سہاگہ یہ ہوگا کہ کسی بھی قسم کی پریشانی سے صاف بچ
جائیں گے۔ ہے نا معقول مشورہ۔ ذرا غور کریں۔ آپ
سولہ سترہ روپے کی کوئی چیز۔ یعنی غیر ضروری چیز
لے کر کھا لیتے ہیں یا کسی اور بے کار قسم کی تفریح پر
خرچ کر دیتے ہیں، لیکن اس کی نسبت آپ ایک
منی خاص نمبر خرید کر محفوظ کر لیتے ہیں۔ یہ نہ صرف آپ
کے کام آئے گا۔ آپ کے گھر کے ہر فرد کے کام آئے

گا۔ بلکہ آپ کے ایک آدھ غریب دوست کا بھی بھلا ہو
گا اور اس کے بعد بھی آپ کے پاس محفوظ کا محفوظ ہوگا۔
یعنی سولہ روپے کی چیز پھر آپ کے پاس موجود ہو
گی۔ جبکہ دوسری چیزوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں
ہو سکتا۔ کوئی چیز کھا لی گئی۔ ختم۔ تفریح کر لی گئی،
ختم۔ لیکن کتاب۔ کتاب ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس۔
اس سے بہتر سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔ چلیے آپ ہی
بتا دیجیے۔ تو میری نصیحت پر کان دھریے۔ اور پوری
طرح تیار رہیے۔ بلکہ دونوں منی خاص نمبروں کی رقم
ابھی سے ارسال کر دیں۔ اس طرح معاملہ اور بھی
محفوظ ہو جائے گا۔ یہ تمام مشورے بغیر کسی فیس کے
دیے جا رہے ہیں۔ اس لیے شکریہ!

اشتیاق

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ :

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص :

اشتیاق احمد

آخری نشانی

"کیا آپ میرا کیس لیں گے۔ ایک جھونپڑی کا کیس۔"

نوجوان کے الفاظ میں دکھ تھا اور آنکھوں میں آنسو۔ شوکی برادران پریشان ہو گئے —

"اگر ہم محلوں کے کیس حل کر سکتے ہیں تو جھونپڑیوں کے کیوں نہیں کر سکتے۔" شوکی آگے جھک گیا۔

"میری جھونپڑی کو ایک شخص نے آگ لگا دی ہے، آگ لگاتے ہوئے اسے میں نے خود دیکھا ہے۔ ویسے اس کا خیال تھا کہ میں بھی جھونپڑی کے اندر موجود ہوں، لیکن اللہ کی مرضی کہ میں اس جھونپڑی میں نہیں تھا۔ بلکہ بالکل نزدیک ہی ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ آپ نے اسے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ خطرہ بھانپ کر آپ درخت پر چڑھ گئے تھے۔" اشفاق نے جلدی سے کہا۔

"جی نہیں! میں ایک کام سے درخت پر چڑھا تھا۔ ابھی میں

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

آخری نشانی

"کیا آپ میرا کیس لیں گے۔ ایک جھونپڑی کا کیس۔"
نوجوان کے الفاظ میں دکھ تھا اور آنکھوں میں آنسو۔ شوکی برادران پریشان ہو گئے —

"اگر ہم محلوں کے کیس حل کر سکتے ہیں تو جھونپڑیوں کے کیوں نہیں کر سکتے۔" شوکی آگے جھک گیا۔

"میری جھونپڑی کو ایک شخص نے آگ لگا دی ہے، آگ لگاتے ہوئے اسے میں نے خود دیکھا ہے۔ ویسے اس کا خیال تھا کہ میں بھی جھونپڑی کے اندر موجود ہوں، لیکن اللہ کی مرضی کہ میں اس جھونپڑی میں نہیں تھا۔ بلکہ بالکل نزدیک ہی ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ آپ نے اسے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ خطرہ بھانپ کر آپ درخت پر چڑھ گئے تھے۔" اشفاق نے جلدی سے کہا۔

"جی نہیں! میں ایک کام سے درخت پر چڑھا تھا۔ ابھی میں

درخت کی گھنی شاخوں کے درمیان تھا کہ میں نے اس شخص کو آتے دیکھ لیا۔ اس کے ہاتھ میں پٹرول کا ایک گیلن تھا۔ وہ گیلن اس نے جھونپڑی پر چھڑک کر دیا سلائی دکھا دی اور بھاگ گیا۔ مَیں ہکّا بکّا رہ گیا۔ یہ سوچ کر کانپ گیا کہ اگر مَیں اس وقت جھونپڑی میں ہوتا تو چُرمُر ہو گیا تھا۔ خیر۔ میں درخت سے اترا۔ پانی وہاں اتنا نزدیک نہیں تھا اور نہ بھر بھر کر لانے کے لیے بالٹیاں مَوجُود تھیں۔ اس لیے پُوری جھونپڑی جل کر راکھ ہو گئی۔ اور مَیں کچُھ نہ کر سکا۔"

"پھر۔ آپ نے کیا کیا؟" اخلاق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میں کیا کرتا۔ سیدھا پولیس اسٹیشن گیا، لیکن وہاں میری کسی نے نہ سُنی۔ سوچ سوچ کر تھک گیا تو آپ کے پاس چلا آیا۔ آپ کے بارے میں دو تین مرتبہ اخبارات میں پڑھنے کا اتفاق ہو چکا ہے۔"

"ہوں! آپ درخت پر کیا کرنے کے لیے چڑھے تھے؟" آفتاب نے پُوچھا۔

"ایک چیز وہاں رکھی ہوئی تھی۔ اس کو دیکھنے گیا تھا کہ موجود ہے یا نہیں۔ دراصل اس چیز کو میں جھونپڑی میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ میری ماں کی آخری نشانی ہے۔"

"اور وُہ کیا چیز ہے؟"

"ایک انگوٹھی۔" اس نے کہا۔

"ہُوں! تو آپ چاہتے ہیں۔ ہم اس شخص کو گرفتار کرا دیں اور آپ کو جو نقصان ہوا ہے، اس کا کچھ حصّہ تو آپ کو دلا دیں۔"

"نہیں! میں یہ نہیں چاہتا۔ جھونپڑی اس قدر قیمتی نہیں تھی۔ وُہ میں پھر بنا لوں گا۔ وُہ تو مجھے جلانے آیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیوں۔ اسے مجھ سے کیا دُشمنی ہے۔ وُہ کیوں مجھے موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتا ہے۔"

"ہُوں! بات آپ کی معقول ہے۔ اور معقول باتوں کو ہم بہت پسند کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ اسے کس طرح جانتے ہیں؟"

"مَیں ایک مزدُور ہُوں۔ صبح سویرے سبزی منڈی میں جا کر وزن ڈھوتا ہُوں۔ اس شخص کا سامان بھی کئی بار اُٹھا کر اس کے گھر پہنچانے کا اتفاق ہو چکا ہے مجھے۔ وُہ اکثر پھل خریدنے منڈی آتا ہے۔ پتا نہیں۔ اتنے پھلوں کا کیا کرتا ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ کی کہانی میں کافی دل چسپی اور پُر اسراریت ہے۔ ہم یہ کیس ضرور حل کریں گے۔" شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

"شش۔ شکریہ۔" اُس کے منہ سے نکلا۔

"شش۔ شکریہ سے بہتر تھا، آپ ڈبل شکریہ کہ دیتے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"جی - کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"کچھ نہیں - آپ ہمیں اور کیا بتا سکتے ہیں؟"

"اور کوئی بات نہیں - ویسے آپ جو پوچھنا چاہیں، پوچھ لیں - اور ہاں اپنا معاوضہ بھی بتا دیں۔"

"معاوضے کی بات جانے دیں - آپ کی تو پہلے ہی جھونپڑی جل چکی ہے۔" شوکی مسکرایا۔

"نہیں جناب - یہ تو نہیں ہو گا - خیر آپ ایسا کریں - میرے پاس اور تو کچھ ہے نہیں - یہ انگوٹھی ہی رکھ لیں - ماں کی آخری نشانی۔" اس نے کہا۔

"نہیں بھئی - ہم یہ ظلم نہیں کر سکتے - انگوٹھی آپ کو مبارک ہو - ماں کی آخری نشانی ہونے کے ناطے یہ آپ کے پاس ہی اچھی لگتی ہے - ہم آپ کا کیس بلا معاوضہ حل کریں گے - ان شاء اللہ!"

"نہیں - یہ نہیں ہو گا - معاوضہ تو آپ کو لینا ہو گا - اور وہ ہو گا بھی اس انگوٹھی کی صورت میں۔"

"آپ اس بات کو جانے دیں۔" اشفاق کے لہجے میں تیزی سی آ گئی -

"ج - جی - اگر آپ معاوضہ نہیں لینا چاہتے تو میں بھی آپ سے اپنا کیس نہیں حل کراؤں گا۔" اس نے بھی جل بھن کر کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" شوکی نے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں بتاؤں گا۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"آپ کی جھونپڑی کہاں تھی؟" آفتاب مسکرایا۔

"نہیں بتاؤں گا۔" اس نے جلا کر کہا۔

"وہ شخص کہاں رہتا ہے؟" اخلاق نے فوراً کہا۔

"نہیں بتاؤں گا۔"

"آپ کیس حل کرانے آئے ہیں یا لڑنے؟" اشفاق جل گیا۔

"کیس حل کرانے - لیکن پہلے آپ معاوضہ وصول کریں - پھر۔" اس نے کہا۔

"اچھا بابا - لائیے انگوٹھی۔" شوکی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"بھائی جان - یہ آپ کیا کر رہے ہیں - یہ ان کی والدہ کی آخری نشانی ہے۔"

"اب کیا کیا جائے - ان پر تو ہو گئی ہے ضد سوار۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"شکریہ۔" اس نے خوش ہو کر کہا اور انگوٹھی اس کی طرف بڑھا دی -

شوکی نے انگوٹھی کو ایک نظر دیکھا - نگینے کی جگہ اس میں ایک بڑا سا پتھر لگا ہوا تھا - اس نے انگوٹھی کو جیب میں رکھ لیا اور بولا:

"ہاں ! اب تو بتا دیں ۔ آپ کا نام کیا ہے؟" اور آفتاب نے نوٹ بک سنبھال لی ۔ دوسری طرف ارشد تیار ہو گیا ۔

"مَیں اجمل گٹو ہُوں"۔

"گٹو آپ کا تخلص تو نہیں؟" آفتاب گھبرا گیا ۔

"ج ۔ جی نہیں ۔ میری ماں پیار سے مجھے گٹو کہا کرتی تھی ۔ اس کے مرنے کے بعد مَیں نے گٹو کو اپنے نام کا حصّہ بنا لیا"۔ اُس نے بتایا۔

"بہت اچھا کیا ۔ اب ذرا اس شخص کا نام بھی بتا دیں ۔ جس نے آگ لگائی تھی ۔ اور اس کا پتا بھی اور یہ بھی کہ جھونپڑی کس جگہ تھی؟"

"اُس کا نام ٹیکا کالو ہے"۔

"کیا!!!" اُن کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ۔ آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں ۔

"وہ ۔ وہ تو بہت خطرناک آدمی ہے ۔ بلکہ پُورے شہر کا چھٹا ہوا بدمعاش ہے"۔

"اوہ ۔ یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی ۔ مَیں تو بس اتنا جانتا

ہُوں کہ وہ اکثر سبزی منڈی میں پھل خریدنے آتا ہے"۔

"جب وہ سبزی منڈی میں آتا ہے تو کیا پیدل ہوتا ہے؟"

"جی نہیں ۔ اس کے پاس کار ہوتی ہے ۔ پھلوں کا ٹوکرا پہلے کار تک لے جانا پڑتا ہے ، پھر وہ مزدور کو بھی کار میں بٹھا لیتا ہے ۔ اس کے گھر کے دروازے پر آ کر مزدور ہی پھلوں کو نکال کر اس کے گھر کے اندر رکھتا ہے"۔

"ہُوں ۔ ٹیکا کالو کا پتا ہم جانتے ہیں ۔ آپ صرف یہ بتا دیں کہ جھونپڑی کہاں تھی؟"

"جنوبی سڑک پر چھٹے کلومیٹر کے سامنے بائیں طرف ۔ سڑک سے نیچے اتر کر کچھ دُور اگر چلیں تو جلی ہوئی جھونپڑی کا ملبہ نظر آ جاتا ہے"۔ اُس نے بتایا۔

"شکریہ ۔ اب آپ کہاں رہ رہے ہیں؟"

"وہیں ۔ اور کہاں رہ سکتا ہُوں ۔ سر چھپانے کی اب میرے پاس کوئی جگہ نہیں ہے ۔ نئی جھونپڑی بنانا شروع کی ہے ۔ صبح سویرے منڈی چلا جاتا ہوں ۔ مزدوری کرتا رہتا ہوں ۔ اور باقی دن جھونپڑی بناتا رہتا ہوں"۔

"ہوں! اگر آپ پسند کریں تو ہمارے ہاں آ کر رہ لیں"۔ شوکی نے کہا۔

"نہیں جناب ۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔ اس طرح جھونپڑی نہیں بنا

سکوں گا۔"

"تو کم از کم رات کو آ کر سو جایا کریں ۔ جب تک آپ کی جھونپڑی تیار نہیں ہو جاتی۔"

"اس کی بھی ضرورت نہیں ۔ مجھے وہیں سکون ملتا ہے ۔ اس لیے کہ ....."

"ہاں ہاں کہو ۔ اس لیے کہ ....."

"میں شاید وہیں پیدا ہوا تھا ۔ ویسے میری ماں نے مجھے کبھی یہ بات نہیں بتائی کہ میں کہاں پیدا ہوا تھا۔"

"ہوں ! آپ کے والد کیا کام کرتے تھے ؟" آفتاب نے پوچھا۔

"پتا نہیں ۔ وہ میری پیدائش سے چند ماہ پہلے فوت ہو گئے تھے۔" اس نے کہا۔

"اوہ ۔ آپ تو پیدائشی یتیم ہوئے ۔" اشفاق نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں ! یہی کہ لیں۔"

"آپ کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں یا نہیں ؟" اخلاق بولا۔

"ایسی بات نہیں ۔ میں نے میٹرک کیا ہے ۔ میٹرک کے بعد ملازمت حاصل کرنے کے لیے بہت دوڑ دھوپ کی ، لیکن نہ مل سکی ۔ آخر مزدور بن گیا۔"

"اور آپ کی والدہ کب فوت ہوئیں ؟"

"میرے میٹرک کر لینے کے فوراً بعد۔"

"اس بات کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے ؟"

"چھے سال قریب ۔" اس نے کہا۔

"بہت بہتر ۔ آپ تشریف لے جائیں ۔ ہم ابھی اور اسی وقت آپ کے کیس پر کام شروع کر رہے ہیں ۔ ضرورت پڑی تو جنگل میں آ کر آپ سے ملاقات کریں گے۔"

"شکریہ جناب ۔" اس نے کہا اور اٹھ کر دفتر سے نکل گیا ۔ اسی وقت ان کی امی کی آواز کانوں سے ٹکرائی :

"وہ انگوٹھی مجھے دکھانا شوکی ۔"

"تو آپ بھی اس طرف موجود تھیں ۔ اور سب کچھ سن رہی تھیں ۔"

"ہاں ! مجھے اس نوجوان سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہے ۔"

شوکی اٹھ کر دروازے تک گیا اور انگوٹھی انھیں دے دی ۔ انھوں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر منہ بنا کر بولیں :

"یہ تو دس روپے کی بھی نہیں ہے ۔"

"جی ہاں ! لیکن میں نے اسے فروخت کرنے کے لیے نہیں ۔ اس کی ضد سے مجبور ہو کر قبول کیا ہے ۔ آخر یہ اس کی ماں کی آخری نشانی ہے ۔ کیس مکمل ہونے پر یہ میں اسے واپس کر دوں گا ۔"

"ہاں ! یہ ٹھیک رہے گا ۔"

"اس وقت تک کے لیے۔ آپ اس کو اپنے پاس بطور امانت رکھ لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور جانے کے لیے مُڑ گئیں۔

"آؤ بھئی۔ ذرا شیکا کالو سے مُلاقات کر آئیں۔" شوکی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہمارا اس سے ملاقات کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"خطرے کی بُو میں بہت پہلے سونگھ چکا ہوں۔ اس سے کیا ڈرنا۔" شوکی مسکرایا۔

"تو پھر چلیے۔"

چاروں باہر نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ شوکی نے کہا:

"۱۰۳ چورنگ روڈ۔"

ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی:

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ شخص اتنے پھلوں کا کیا کرتا ہے؟"

"بڑا گھرانا ہوگا۔ خوب کھاتے پیتے ہوں گے۔ دولت کی ریل پیل ہوگی۔" اشفاق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تو تم کیوں جلے جا رہے ہو۔" شوکی مسکرایا۔

"جل اس لیے رہا ہوں کہ آج کے اکثر انسانوں نے زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا سمجھ لیا ہے، جب کہ انسان کو اس

دنیا میں کھانے پینے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ اسے تو زندہ رہنے کے لیے کھانا چاہیے۔" اشفاق نے جلدی جلدی کہا۔

"بات تو تُمھاری بہُت معقول ہے۔"

ٹیکسی ڈرائیور نے اُنھیں ۱۰۳ چورنگ روڈ پر اُتار دیا۔ وہ ایک پرانا، لیکن بڑا سا مکان تھا۔ شوکی نے آگے بڑھ کر دستک دی، چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھُلا اور ایک سیاہ رنگ کا آدمی دکھائی دیا، اس نے تلملاہٹ کے عالم میں کہا:

"کس سے ملنا ہے؟"

"مسٹر شیکا کالو سے۔" شوکی نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"کیوں۔ کیا کام ہے؟"

"ایک آدمی کا جھگڑا نبٹانا ہے۔" شوکی نے گول مول بات کہی۔

"اوہ سمجھ گیا، لیکن شکل صورت سے تو تم لوگ ایسے نہیں لگتے۔" اس کے لہجے میں جوش بھی تھا اور حیرت بھی۔

"شکل صُورت اکثر دھوکا دے جاتی ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔ استاد اس وقت اپنے باغ میں ہیں۔ وہ ڈرائنگ روم تک آنا پسند نہیں کریں گے۔" اس نے کہا اور اندر کی طرف مُڑ گیا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہمیں باغ پسند ہیں۔" مکھن بولا۔

"وہاں کا منظر دیکھ کر تم یہ بات نہیں کہ سکو گے۔" اس

نے کہا۔

"کیوں۔ وہ باغ ہے۔ یا بھوت گھر"۔ اخلاق نے منہ بنا کر کہا۔

"تم لوگ پٹ پٹ باتیں کیے جا رہے ہو۔ یہ تو اچھی عادت نہیں ہے"۔

"ہم یہاں عادات و اطوار سیکھنے نہیں آئے"۔ شوکی کو بھی غصّہ آگیا۔

سیاہ آدمی نے سر کو ایک جھٹکا دیا۔ اور تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ یہاں تک کہ انھیں لیے باغ میں داخل ہوا۔

باغ کیا تھا۔ بس جھاڑ جھنکاڑ تھا۔ ہر طرف بے ترتیب پودے سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ان کے جی میں آئی۔ فوراً کہ دیں۔ یہ باغ ہے۔ اُسی وقت باغ میں ٹہلتا ہوا شخص ان کی طرف مُڑا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا منہ حیرت سے کھل گیا، پھر اُس نے چونک کر پُوچھا:

"یہ تم کن لوگوں کو اندر لے آئے ہو؟"

"گاہک ہیں اُستاد"۔

"بکواس نہ کرو۔ مجھ سے پُوچھ کر لوگوں کو اندر لایا کرو، جاؤ، ہاں بھئی۔ کیا بات ہے؟"

"بات ذرا گہری ہے۔ کھڑے کھڑے نہیں ہو سکے گی"۔ شوکی

نے کہا۔

"کیوں نہیں ہو سکے گی۔ تمھاری ٹانگوں میں دم نہیں ہے کیا؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہمیں دراصل آپ کی ٹانگوں کا فکر ہے"۔ آفتاب مُسکرایا۔

"تم آئے کس لیے ہو۔ یہ بتاؤ؟"

"اجمل گٹو"۔ شوکی بولا۔

"اجمل گٹو۔ کیا مطلب؟" ٹیکا کالو چلّایا۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چاقو نظر آیا۔

وُہ اس کی پھُرتی پر حیرت زدہ رہ گئے۔ اور خوف زدہ ہوئے بغیر بھی نہ رہ سکے:

"ایک بات ذہن میں رہے۔ ہماری والدہ کو معلوم ہے کہ ہم اس وقت کہاں ہیں"۔

"میں اسے بھی ختم کر دوں گا"۔ وہ غرّایا۔

"اللہ اپنا رحم کرے۔ ہم نے ایسا کیا جرم کر ڈالا۔ زبان سے صرف اجمل گٹو ہی تو کہا ہے"۔

"تم نہیں جانتے۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ ہاں!" وہ ہنسا۔

"تو بتا دیں نا۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے"۔

"اس کا تیا پانچہ کرنے کی فیس میں نے دو لاکھ روپے وصول کی ہے۔ اگر راز فاش ہو گیا تو مجھے دو لاکھ روپے

واپس کر دیتا ہوں گے۔ مجھے حیرت ہے۔ تم اجمل گٹو کے بارے
میں کیا جانتے ہو؟
"یہ کہ وہ زندہ ہے۔"
"کیا۔ نہیں۔" اس کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

موٹا شکار

چند سیکنڈ تک وہ انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا، پھر پھنکارا:
"میں اسے ختم کر چکا ہوں۔ اس کی جھونپڑی کو آگ لگا چکا ہوں،
لیکن اگر وہ کسی طرح بچ گیا ہے۔ تو اب نہیں بچے گا اور چوں کہ
یہ راز تم بھی جان گئے ہو۔ اس لیے تم بھی اب اسی باغ
میں دفن کر دیے جاؤ گے۔ جب کہ اس باغ میں اور بھی نہ
جانے کتنے لوگ دفن ہیں۔ اس لیے مجھے یہ باغ بہت پسند
ہے۔"
"ارے باپ رے۔ آپ کے ارادے تو نیک نہیں لگتے۔ اچھا
ہمیں اجازت دیں۔" آفتاب نے کانپ کر کہا۔
"ایک قدم بھی نہ ہلنا۔ ورنہ یہ چاقو تم لوگوں کے جسموں میں
آن کی آن میں ترازو ہو جائے گا۔" وہ بولا۔
"گگ۔ کچھ تو خیال فرمائیے۔ آخر ہم آپ کے مہمان ہیں۔"
اخلاق نے لرز کر کہا۔

"مہمان اور تم — تم تو دشمن نمبر ایک ہو — میں نے تو تم لوگوں کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا — تم شوکی برادرز ہو — کیوں۔ ٹھیک ہے نا؟"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم شوکی برادرز ہیں — لیکن شوکی برادرز ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔" شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"ادھر اُدھر کی نہ ہانکو اور تفصیل سناؤ — کیا اجمل گٹو تمہارے پاس آیا تھا؟"

"ہم تمہاری ہر بات کا جواب دے دیں گے، لیکن پہلے تم یہ بتا دو — اجمل گٹو کو کون ہلاک کرانا چاہتا ہے؟"

"یہ بات تو میرے فرشتے بھی نہیں جانتے۔" اس نے فوراً کہا۔

"کیا مطلب؟"

"جو لوگ دوسروں کو ختم کرانا چاہتے ہیں — وہ اپنا نام کب ظاہر کرتے ہیں — خفیہ طور پر معاملہ طے کرتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"لیکن اگر تم رقم لے کر پھر جاؤ تو؟"

"وہ تو مجھے جانتے ہیں نا — اور پھر اپنے کاروبار کو چمکانے کے لیے ضروری ہے کہ یہ بات مشہور ہو — فلاں آدمی بہت ہی ایمان دار ہے — جس سے جو معاملہ کرتا ہے، اسے پورا کرتا ہے۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے — اچھا — اب کافی باتیں ہو چکیں —

ہم چلتے ہیں۔" شوکی نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا — تم کیسے جا سکتے ہو؟"

"تو ہمیں یہ باتیں بتانے کی کیا ضرورت تھی۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"تم چاروں کو ختم کرنا میرے لیے چیونٹی کو مسل دینے کے برابر ہے — اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری۔" اشفاق ہنسا۔

"کیا مطلب؟"

"ہماری تلاش میں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا جیسے لوگ نکلیں گے۔"

"تو پھر — اس سے کیا ہوتا ہے — وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے — وہ لوگ اُڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔"

"مشکل یہ ہے کہ میں تمہیں چھوڑتا ہوں، تب بھی پھنستا ہوں — تم کون سا گھر جا کر خاموش بیٹھ جاؤ گے۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

یہ دیکھ کر وہ دل ہی دل میں مسکرائے — کم از کم وہ اسے پریشان کرنے میں تو کامیاب ہو گئے تھے۔

"تو پھر سن لو۔ تمھارے لیے ایک راستا ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"ہمیں یہاں سے جانے دو اور خود بھی یہاں سے فرار ہو جاؤ۔"

"میں اپنا لاکھوں کا کاروبار چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں۔ اس سے یہ بہتر ہے کہ تم لوگوں کو ختم کرنے کا خطرہ مول لے لوں۔"

"اچھا تو پھر اب تم اپنا کام شروع کرو۔ ہم اپنا شروع کرتے ہیں۔ یوں تو پھر یوں ہی سہی۔" شوکی نے بھنا کر کہا۔

"کیا مطلب۔ تم اور مجھ سے لڑو گے۔" اس کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"ارے نہیں بڑے بھائی۔ ہم ترکیب نمبر نو استعمال کریں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ باغ میں اِدھر اُدھر دوڑ پڑے اور کچھ اس تیزی سے دوڑے تھے کہ ٹیکے کو چاقو پھینکنے کا موقع نہ مل سکا۔ جب تک وہ چاقو پھینکنے کے لیے تیار ہوا۔ وہ کافی دور ہو چکے تھے:

"اے۔ خبردار۔ ابے او کالیے۔ جلدی سے دروازے پر پہنچ جا۔ ان میں سے اگر ایک بھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تو میں تمھاری ہڈیاں چبا جاؤں گا۔"

"فکر نہ کرو استاد۔ میں پہلے ہی دروازے پر موجود ہوں۔" اس طرف سے آواز آئی۔

انھوں نے جلدی سے پہلے دروازے کی طرف دیکھا، پھر باغ کی طرف۔ ایک لمحے کے اندر انھوں نے باغ کا جائزہ لے ڈالا۔ دروازے کی طرف سے فرار ہونے میں خطرہ تھا۔ اور باغ کی دیواریں اونچی تھیں۔ ایسے میں آفتاب نے دوڑ لگائی۔ اور دروازے کے مخالف سمت میں باغ کی دیوار تک پہنچ گیا۔ ٹیکا اس کے پیچھے نہ دوڑ سکا، کیوں کہ شوکی، اشفاق اور اخلاق اس کے تین طرف موجود تھے۔ اور اگر وہ آفتاب کی طرف بھاگتا تو وہ تینوں دروازے کا رخ کر سکتے تھے۔ اور ہو سکتا تھا کہ کالیا ان کو نہ روک سکتا۔ اگر ایک بھی ان میں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو معاملہ ان کے لیے بگڑ جاتا۔ اس لیے وہ دیوار کی بلندی کو ذہن میں رکھ کر وہیں جما رہا اور چلّایا:

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"تمھاری بلا سے، ہم کچھ بھی کریں۔" آفتاب وہیں سے چلّایا۔ اور ایک درخت پر بلا کی تیزی سے چڑھنے لگا۔ اب جو استاد نے اس درخت کو دیکھا تو گھبرا گیا۔ اس کی ایک شاخ دیوار پر ٹکی ہوئی تھی۔

"ہائیں ہائیں۔ یہ تو لگا دے گا دیوار سے اس طرف چھلانگ۔" ٹیکا گھبرا کر بولا اور آفتاب کی طرف بے تحاشہ دوڑ پڑا۔ اب بھی وہ تینوں کس طرح رک سکتے تھے۔ انھوں نے بھی دروازے کا رخ کرنے کی بجائے۔ تین درختوں کا رخ کیا۔ اگرچہ ان کی

شاخیں دیوار پر نہیں تھیں — لیکن اس وقت وُہ اور کر بھی کیا سکتے تھے — دروازے پر کھڑے کالیے نے یہ منظر حیران ہو کر دیکھا اور چلّا کر بولا:

"استاد — یہ تینوں بھی درختوں پر چڑھ رہے ہیں — اب کیا کیا جائے؟"

"میں دیکھ چکا ہوں — ان درختوں کی شاخیں دیوار پر نہیں ہیں — خطرہ صرف اس فتنے سے ہے۔" اس نے آفتاب کی طرف اشارہ کیا — جو اس وقت تک درخت پر چڑھ چکا تھا اور خود کو شاخوں کے درمیان کر چکا تھا — دُوسرا کام اس نے یہ کیا کہ ایک موٹی سی شاخ توڑ کر ہاتھ میں پکڑ لی —

"میں تمہیں یہاں سے بھی چاقو کا نشانہ بنا سکتا ہوں۔"

"اللہ کرے — جس آنکھ سے تم نشانہ بنانے کی کوشش کرو — تمھاری وُہ آنکھ پھوٹ جائے۔" آفتاب نے لرزتی آواز میں کہا۔

"یہ کیا — تم تو بددُعا کرنے پر اُتر آئے۔" شیکا کے لہجے میں حیرت تھی —

"ان حالات میں — شکر کرو — ہم صرف بددُعا کر رہے ہیں۔" آفتاب مُسکرایا —

"استاد — اب میرا دروازے پر کھڑے رہنا ٹھیک نہیں — ان لوگوں کے خلاف کچھ نہ کچھ کر گزرنا چاہیے — میں اندر سے کلہاڑی لے

آتا ہوں۔" کالیے نے اور خوف ناک بات کہی۔

"کلہاڑی کا تم کیا کرو گے؟" شیکا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ان میں سے جو درخت سے اُترنے کی کوشش کرے گا — اس پر وار کر سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے — جلدی کرو — ایسا نہ ہو کہ تم باہر بھی نہ نکلو اور یہ درختوں سے اتر کر دروازے کی طرف دوڑ لگا دیں۔"

"تم فکر نہ کرو استاد۔" کالیے نے یہ کہ کر اندر کی طرف دوڑ لگا دی، جُوں ہی وُہ نظروں سے اوجھل ہوا — ان تینوں نے یک دم درختوں پر سے چھلانگیں لگا دیں اور نیچے گرتے ہی دروازے کی طرف دوڑے، یہ دیکھ کر شیکا دھاڑا:

"کالیے — وُہ نکل بھاگے۔"

پھر وُہ خود بھی دروازے کی طرف دوڑ پڑا اور بوکھلاہٹ کے عالم میں آفتاب کو بھی بھول گیا — لیکن جب وُہ دروازے پر پہنچا، وُہ تینوں دُور، بہت دُور جا چکے تھے — اب جو وُہ واپس پلٹا تو کالیا کلہاڑی لہراتا آتا نظر آیا —

"اب بیٹھ کر کلہاڑی چاٹو۔" اس نے بھنّا کر کہا اور آفتاب کی طرف دوڑا، لیکن آفتاب بھی اب درخت پر کہاں رہا تھا — شیکا سر پکڑ کر بیٹھ گیا — کالیا کلہاڑی اُٹھائے اس کے نزدیک آ گیا اور حیرت زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا — اچانک

کالیے کے جی میں نہ جانے کیا آئی — اس کا کلہاڑی والا ہاتھ اچانک بلند ہو گیا —

⦿

"ہم اس طرف ہیں۔"

آفتاب بے تحاشہ دوڑ رہا تھا کہ شوکی کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک میڈیکل سٹور میں نظر آئے — شوکی جلدی جلدی فون کے نمبر گھما رہا تھا، پھر جوں ہی سلسلہ ملا، اس نے کہا:

"ہیلو انکل کاشان — یہ آپ ہی ہیں نا — فوراً آئیے — ایک موٹا شکار آپ کے لیے بالکل تیار ہے۔"

"موٹا شکار — لیکن کہاں؟" انسپکٹر کاشان کی حیرت زدہ آواز ابھری —

"۱۰۳ چورنگ روڈ پر۔"

"اچھا — آرہا ہوں۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

باہر نکل کر وہ پھر ٹیکا کالو کے گھر کی طرف قدم اٹھانے لگے — اور جب اس حد تک نزدیک پہنچ گئے کہ گھر نظر آنے لگا تو رک گئے — گھر کا دروازہ انھیں چوپٹ کھلا نظر آیا — وہ اسے کھلا ہی تو چھوڑ آئے تھے —

"کہیں وہ دونوں بھاگ تو نہیں گئے۔" شوکی بڑبڑایا۔

"کھلا دروازہ تو یہی کہہ رہا تھا۔" اشفاق بولا۔

"اتنی جلدی کس طرح نکل سکتے ہیں — آخر قیمتی چیزیں ساتھ لینا ہوتی ہیں۔"

"اگر وہ نکلتے نظر آئے — اور اس وقت تک انکل کاشان یہاں نہ پہنچے تو ہم ان کا تعاقب کریں گے — اس لیے کوئی ٹیکسی پہلے ہی پکڑ لینی چاہیے۔" شوکی جلدی جلدی بولا۔

"ہاں — تاکہ ہم ایک بار پھر ان کے شکنجے میں آ جائیں — اور ٹائیں ٹائیں فش ہو جائیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"لیکن ان کا فرار ہو جانا بھی تو ہمارے لیے خطرناک ہوگا — وہ ہمیں ختم کرنے کے چکر میں رہیں گے۔" اخلاق بولا۔

"ہوں — بات ٹھیک ہے۔" اشفاق نے سر ہلایا اور پھر ایک ٹیکسی کو اشارہ کر دیا —

انھیں دس منٹ تک انتظار کرنا پڑا — اور پھر انسپکٹر کاشان کی جیپ ان کے بالکل قریب آ کر رکی:

"ہاں بھئی — کیا معاملہ ہے؟"

شوکی نے جلدی جلدی پوری تفصیل سنا دی —

"اوہ — لیکن دروازہ تو کھلا ہوا ہے۔"

"ہم نے اس کو کھلا ہی چھوڑا تھا۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"تب پھر۔ وہ کسی اور دروازے سے نکل گئے ہیں۔"

"دوسری طرف ایک گلی ہے۔ اور گلی بھی سڑک کی طرف نکلتی ہے، اس صورت میں بھی ہم انھیں دیکھ لیتے۔"

"خیر آؤ۔ دیکھ لیتے ہیں۔"

"ہم ذرا ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر دیں۔"

"ٹیکسی ڈرائیور۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر کاشان نے چونک کر کہا۔

"جی وہ۔ دراصل ٹیکسی ڈرائیور کا مطلب تو ٹیکسی ڈرائیور ہی ہوتا ہے۔ ہم نے احتیاطاً ٹیکسی روک لی تھی کہ کہیں آپ کو آنے میں دیر نہ ہو جائے اور یہ نکل نہ جائیں۔"

"ہوں! یہ تم نے اچھا کیا تھا، لیکن اب اسے فارغ کیا کرنا تم نے سفر تو کیا ہی نہیں۔ جاؤ بھئی۔" اس نے کہا۔ بعد والا جاؤ بھئی ڈرائیور کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"بہت اچھا صاحب۔" ڈرائیور فوراً بولا۔

"نہیں بھئی۔ رک جاؤ۔ یہ زیادتی ہو گی۔" شوکی نے جلدی سے کہا۔

"زیادتی۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر کاشان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم نے انھیں دس منٹ تک روکے رکھا ہے۔ انھیں اس وقت کی قیمت ملنا چاہیے۔" یہ کہہ کر شوکی نے دس روپے کا نوٹ ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔ انسپکٹر کاشان کی آنکھوں میں شرم کے آثار نظر آئے۔ اور ڈرائیور کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ اب انھوں نے

آگے قدم بڑھا دیے۔ پہلے تین بار دستک دی گئی۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو پولیس مین رائفلیں چھپائے اندر داخل ہوئے۔ شوکی برادرز ان سب کے بعد اندر داخل ہوئے اور پھر باغ میں ان کی نظریں ایک جگہ جم کر رہ گئیں۔

شیکا کالو زمین پر مُردہ پڑا تھا اور اس کا سر دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔

"اُف مالک۔ یہ کیا ہوا؟" اشفاق لرز گیا۔

"یہ کام ضرور اس کالے ملازم کا ہے۔ کلہاڑی اس کے ہاتھ میں تھی۔" شوکی چلایا۔

پورے گھر کی جلدی میں تلاشی لی گئی، لیکن بے کار چیزوں کے علاوہ کچھ بھی نہ ملا، کالیا واقعی غائب تھا۔ البتہ ایک اندرونی کمرے میں تجوری کا دروازہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اور وہاں بھی خون کے چھینٹے موجود تھے۔ تجوری خالی تھی۔ خون آلود کلہاڑی وہیں پڑی تھی۔

"صاف نظر آ رہا ہے۔ ہمارے نکل بھاگنے کے بعد کالیے نے سوچا۔ اب وہ دونوں مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔ کیوں نہ اکیلا نکل جائے۔ قاتل تو وہ پہلے ہی بن چکا ہے۔ نہ جانے کتنے لوگوں کو اس نے شیکا کے ساتھ مل کر قتل کیا ہو گا۔ لہٰذا اس نے سوچا، ایک قتل اور سہی۔ بس اس نے کلہاڑی کا وار شیکا کے سر پر کیا اور تجوری سے دولت سمیٹ کر نکل بھاگا۔

"سوال یہ ہے کہ وہ نکلا کس طرف سے؟" شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"بیرونی دروازے سے ہی - اسے یہ کام کرنے میں دیر ہی کتنی لگی ہوگی - شور شرابے میں شاید کسی نے ٹیبکا کی آخری چیخ بھی نہیں سُنی ہوگی اور اگر کسی نے سُنی بھی ہوگی تو توجہ نہیں دی ہوگی - لہٰذا وہ اِسی طرف سے نکل بھاگا - تم لوگ فون کر کے یہاں آئے تھے۔" انسپکٹر کاشان نے جواب دیا۔

"ضرور یہی بات ہے انکل، لیکن ہم بھی کیا کرتے - خوف ہم پر بُری طرح سوار ہو گیا تھا۔" شوکی نے کہا۔

"خوف میں بس یہی بات بُری ہے - کہ بُری طرح سوار ہو جاتا ہے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"خیر کوئی بات نہیں - تمھارا اس میں کوئی قصور نہیں - کالیے کو گرفتار کرنا اب پولیس کا کام ہے - کلہاڑی پر اس کی اُنگلیوں کے نشانات مَوجود ہی ہیں - وہ جلد یا بدیر گرفتار کر ہی لیا جائے گا۔"

انسپکٹر کاشان سے رُخصت ہو کر جب وہ دفتر پہنچے تو اندر اجمل گگو موجود تھا - اور ارشد سے بات چیت میں مصروف تھا۔ انھیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر ارشد اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔

"خیریت تو ہے؟" شوکی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"م - مَیں اس کے لیے بہت پریشان ہو گیا تھا - اس لیے چلا آیا۔" اس نے گھبرا کر کہا

"کس کے لیے؟" آفتاب بولا۔

"جی - وہ - اپنی انگوٹھی کے لیے۔"

"کیا مطلب - وہ تو آپ نے ہمیں بطور معاوضہ دی ہے۔"

"جی ہاں! یہ تو ہے - میں تو بس اس کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں - ماں کی نشانی ہے نا۔"

"بھئی ایسا کرو - تم ماں کی نشانی کو اپنے پاس ہی رکھ لو - ہمیں نہیں چاہیے - ہم کریں گے بھی کیا اس کا۔"

"نہیں جناب - یہ نہ کہیں - زندگی میں جب بھی میرے حالات بہتر ہوئے - میں آپ کا معاوضہ دے کر اپنی ماں کی نشانی کو چھڑا لوں گا۔" اس نے کہا۔

"اور جب ہم کہ رہے ہیں کہ آپ شوق سے اس کو لے جائیں۔" شوکی نے آنکھیں نکالیں۔

"ج - جی نہیں - یہ نہیں ہوگا - بس آپ ایک نظر دکھا دیں۔"

"آفتاب - انگوٹھی اندر سے لا کر دکھا دو۔" میں نے تنگ آ کر کہا -

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔

"م - میرے کام کا کیا رہا۔"

"ابھی ادھر سے ہی آرہے ہیں۔ شیکا کالو ہمیں مارنے پر
تُل گیا تھا اور اس کا ملازم بھی، لیکن ہم کسی نہ کسی طرح نکل
آنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس کے بعد اس کے ملازم نے
شیکا کو ہلاک کر دیا۔"

"جی۔ کیا کہا۔ شیکا کو ہلاک کر دیا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! کیا اس کا ملازم آپ کو پہچانتا ہے؟"

"نن۔ نہیں۔ میری جھونپڑی جلانے تو شیکا خود آیا تھا۔"

"چلو پھر۔ اب آپ بے فکر۔ ارے۔ م۔ مگر۔" شوکی گھبرا گیا۔

"کیا ہوا جناب؟"

"آپ۔ آپ بدستور خطرے میں ہیں۔ آپ کے نامعلوم
دشمن کو جب پتا چلے گا۔ کہ آپ بچ گئے ہیں اور شیکا خود اپنے
ملازم کے ہاتھوں مارا گیا ہے تو وہ کوئی اور انتظام کرے گا۔"

"اوہ!" اجمل گٹو کا رنگ اُڑ گیا۔

"آپ کے لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ کچھ دنوں تک جنگل میں
نہ رہیں۔ جھونپڑی بنانے کا پروگرام بھی روک دیں۔ کہیں چھپ
جائیں۔ لیکن ہمیں ضرور بتا دیجیے گا کہ آپ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا۔

اسی وقت آفتاب انگوٹھی لیے اندر داخل ہوا۔ اور بولا:

"لیجیے جناب۔ انگوٹھی کو دیکھ لیجیے۔ ویسے جب تک آپ اس

کو چھڑانے کے قابل ہوں گے، اس وقت ضرور ہم لوگ بھی بوڑھے ہو
چکے ہوں گے۔" اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

اس نے انگوٹھی ہاتھ میں لے کر دیکھی، پھر بولا:

"بس۔ اب اس کو رکھ لیں۔ مجھے سکون مل گیا ہے۔"

اس کے جانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"معاملات کچھ عجیب ٹیڑھے میڑھے سے ہیں۔" آفتاب بولا۔

"شیکا کالو۔ اگر مارا نہ جاتا۔ تو بھی۔ اسے اس نامعلوم آدمی
کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ جو اجمل گٹو کا دشمن ہے۔ اور
ہمارا اصل مسئلہ اجمل گٹو کے دشمن کو تلاش کرنا ہے۔ تاکہ اس سے
پوچھیں تو سہی۔ کہ بھائی تمھیں اس غریب آدمی سے آخر ایسی کیا
دشمنی ہے۔" شوکی نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"خیر دیکھتے ہیں۔ آفتاب۔ تم انگوٹھی امی جان کے پاس رکھوا دو۔
نوجوان اس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہے۔ ان سے کہنا۔
اس کو خاص حفاظت سے رکھیں۔"

"اچھا!" اُس نے کہا اور اُٹھ گیا۔

دوسرے دن جب وہ سو کر اٹھے تو مشتاق احمد خان ان کے سرہانے
کھڑے تھے۔ اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں:

"اپنے انکل کاشان کو فون کرو بھئی۔"

"کیوں ابا جان۔ کیا ہوا؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"رات ہمارے گھر میں چور آئے تھے۔" اُنھوں نے منہ بنایا۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"کس بات کا مطلب بتاؤں۔ چور کا یا رات کا؟" وہ بولے۔

وہ اُچھل کر کمرے سے نکل آئے۔ پورے گھر کی چیزیں اُلٹ پلٹ کر دی گئی تھیں۔ اور تجوری کو بھی کھولا گیا تھا۔ گویا گھر کا صفایا کر دیا گیا تھا۔

مُکّوں کی زبان

"السلامُ علیکم انکل۔ میں شوکی بول رہا ہوں۔"

"کیا بات ہے بھئی۔ بہت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ ارے ہاں! وعلیکم السلام۔" ادھر سے انسپکٹر کاشان کی آواز سُنائی دی۔

"بات یہ ہے انکل کہ ہمارے گھر میں چوری کی واردات ہو گئی ہے۔"

"ہائیں کیا کہا۔ چوری کی واردات اور تمھارے گھر میں۔ بھئی کیوں مذاق کرتے ہو۔" انسپکٹر کاشان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس میں مذاق کی کیا بات ہے انکل۔" شوکی نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"بھئی۔ تم گھر میں رکھتے ہی کیا ہو۔ تمھارے پاس تو بنک میں بھی کچھ نہیں ہوتا۔ جو کماتے ہو۔ اِدھر اُدھر خرچ کر ڈالتے ہو۔" انسپکٹر کاشان بولے۔

"اِدھر اُدھر سے آپ کا کیا مطلب ہے انکل۔ یعنی ہم فضول خرچی

کر ڈالتے ہیں۔" شوکی بُرا مان گیا۔

"نہیں خیر۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ غریبوں کی مدد کرنا فضول خرچی نہیں ہوتی۔"

"تو پھر آ جائیے نا انکل۔ یہاں واقعی چور آئے تھے۔"

"اوہ اچھا۔ میں آ رہا ہوں۔"

شوکی نے فون کا ریسیور رکھ دیا اور پھر چاروں بغور ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگے۔ ان کے والد اور والدہ ایک طرف حیرت زدہ سے بیٹھے تھے۔

"آخر ہماری کیا چیز چوری ہوئی ہے؟ سوال تو یہ ہے۔"

"تجوری میں رات سوا دو سو روپے تھے۔ تجوری کو بھی کھولا گیا ہے۔ لیکن وہ سوا دو سو روپے جوں کے توں موجود ہیں۔ گھر کی باقی تمام چیزیں بھی موجود ہیں۔ الماریوں اور صندوقوں وغیرہ کو بھی اُلٹ پلٹ کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی چیز غائب نظر نہیں آ رہی۔" شوکی کی والدہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے چور کسی بہت قیمتی چیز کی تلاش میں تھا۔ اور جب گھر میں اسے تمام چیزیں معمولی نظر آئیں تو مایوس ہو کر چلا گیا۔" اشفاق نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن اسے چاہیے تھا۔ وہ کم از کم سوا دو سو روپے تو لے جاتا۔

یعنی بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی پر عمل کر لیتا۔ اگرچہ وہ خود چور تھا، بلکہ بھاگتا چور۔" شوکی مسکرایا۔

جلد ہی انسپکٹر کاشان وہاں پہنچ گیا۔ اس نے بھی حیرت زدہ انداز میں پورے گھر کا جائزہ لیا اور بولا:

"جو چیزیں چوری ہوئی ہیں۔ ان کی تفصیل لکھوا دیں۔"

"بہت مشکل ہے انکل۔ تفصیل نہیں لکھوائی جا سکتی۔" شوکی بولا۔

"کیوں۔ کیا وہ بے شمار چیزیں لے گیا ہے؟"

"جی نہیں۔ وہ ایک چیز بھی نہیں لے گیا۔"

"کیا کہا۔ ایک چیز بھی نہیں لے گیا۔ اچھا کمال ہے۔ تو پھر آیا کس لیے تھا؟"

"آیا ہو گا لاکھوں کے چکر میں۔ لیکن یہاں نہیں ملے ہزاروں بھی۔ تجوری میں بس یہی سوا دو سو روپے تھے۔"

"ہوں۔ پھر کیا خیال ہے۔ مقدمہ درج کرنے کی ضرورت تو نہیں۔"

"وہ تو اصولی طور پر ہونا چاہیے۔ ویسے پہلے آپ مزید تفصیل سُن لیں۔" یہ کہہ کر شوکی نے اجمل گٹو کی آمد کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ انھوں نے اسے چھپ جانے کا مشورہ دیا ہے۔

انسپکٹر کاشان نے اپنی کارروائی مکمل کی اور چلا گیا۔ اس وقت اچانک آفتاب نے چونک کر کہا:

"ارے! ہم اس انگوٹھی کو تو بھول ہی گئے۔ کہیں وہ انگوٹھی

کوئی بہت قیمتی انگوٹھی تو نہیں ہے۔ اور چور اس کے چکر میں تو نہیں آیا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ اور ان کی نظریں اپنی والدہ کی طرف اُٹھ گئیں۔

"وُہ میرے ہاتھ کی رکھی ہوئی ہے۔ چور اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ویسے بھی وُہ کوئی قیمتی انگوٹھی ہو ہی نہیں سکتی۔"

"پھر بھی آپ دیکھ تو لیں۔ وُہ اس جگہ موجود ہے یا نہیں۔"

"اچھا۔ دیکھ لیتی ہوں۔" یہ کہ کر وُہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ واپس لوٹیں تو انگوٹھی ان کے ہاتھ میں تھی اور چہرے پر مُسکراہٹ:

"اس جگہ کو چور نے چھو کر بھی نہیں دیکھا۔"

شوکی نے انگوٹھی اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے بغور دیکھنے لگا، اچانک اس نے کہا:

"آپ چیزوں کو ترتیب سے رکھنا شروع کریں۔ ہم ذرا بازار تک جا رہے ہیں۔"

انھیں حیران پریشان چھوڑ کر وُہ باہر نکل آئے اور صرافہ بازار پہنچے۔ یہاں ایک جوہری شوکی کا بہت اچھا واقف تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا:

"آؤ بھئی شوکی۔ کس چکر میں آئے ہو؟" اس نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کی نظریں کافی تیز ہیں۔ لہٰذا ان سے ذرا اس انگوٹھی کو بھی دیکھیے۔"

جوہری نے انگوٹھی کو دیکھنا شروع کیا۔ اور پھر منہ بنا کر بولا:

"یہ تو چند روپے سے زیادہ کی نہیں۔"

"ہمارا بھی یہی خیال تھا، لیکن ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے تھے۔ اچھا شکریہ۔"

واپس گھر پہنچے تو فون کی گھنٹی کی آواز سُنائی دی۔ اس کے والد فون کی طرف بڑھ ہی رہے تھے۔ کہ اسے دیکھ کر رک گئے۔ شوکی نے ریسیور اُٹھا لیا۔ دُوسری طرف سے فوراً ہی اجمل گٹو کی آواز سُنائی دی:

"شوکی صاحب۔ سُنائیے۔ کیا رہا؟"

شوکی نے حالات بتانے کے بعد اس سے کہا:

"آپ کے لیے خطرہ بدستور موجود ہے۔ شیکا کالو کو آپ کے قتل کے لیے کسی نامعلوم آدمی نے مقرر کیا تھا۔ جب تک ہم اس آدمی کا سُراغ نہیں لگا لیتے اور اسے گرفتار نہیں کرا دیتے، اس وقت تک آپ خطرے کی زد سے باہر نہیں ہیں۔"

"اوہ! یہ تو بہت غلط بات ہو گی۔ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ اس وقت ایک سرائے سے فون کر رہا ہوں، یہیں ٹھہرا ہوا ہوں، لیکن میں اس سرائے کا کرایہ کب تک ادا کر سکوں گا۔"

"تب پھر۔ آپ ہمارے پاس آ جائیں۔" شوکی بولا۔

"آپ کے پاس ۔ نہیں نہیں۔" اس نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

"کیوں ۔ کیا ہوا؟"

"میرا دشمن سُراغ لگا کر آپ کے گھر تک پہنچ جائے گا، لیکن وہ اس سرائے تک نہیں پہنچ سکتا۔" اس نے کہا۔

"کیوں بھلا ۔ وہ سرائے تک کیوں نہیں پہنچ سکتا؟"

"اس بارے میں مَیں نے کسی کو بھی کچھ نہیں بتایا ۔ نہ آپ کو بتایا ۔ جب کہ انھیں یہ بات معلوم ہو گئی ہو گی کہ میں آپ سے رابطہ قائم کر چکا ہوں۔"

"ہاں شاید ۔ انھیں یہ بات معلوم ہے ۔ تم ٹھیک کہتے ہو گٹو ۔ لہٰذا وہیں دبکے رہو ۔ اور ہمیں بھی نہ بتاؤ کہ تم کہاں چھپے ہو۔" شوکی نے کہا۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی ۔ شوکی نے ریسیور رکھ دیا اور اخلاق کو اشارہ کیا ۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوا ۔ وہ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھی:

"آئیے بہن ۔ کیا بات ہے؟"

"م ۔ میں سخت مشکل میں ہوں ۔ ایک عجیب مشکل میں ۔ آپ ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چل سکتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں ۔ لیکن چلنا کہاں ہے؟"

"۹۰۱ کوپن روڈ۔"

"ٹھیک ہے ۔ آئیے۔"

آفتاب نے شوکی کو گھور کر دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو ۔

"نہ کچھ پوچھا نہ تاچھا اور ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔"

شوکی نے اس کے گھورنے کا مطلب فوراً بھانپ لیا، وہ مسکرایا اور بولا:

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

دفتر سے باہر نکلے تو ایک سُرخ رنگ کی بڑی سی کار نظر آئی ۔ لڑکی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"تشریف رکھیے۔"

"جی بہتر۔" شوکی بولا اور چاروں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے ۔ اب لڑکی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی ہوا ہو گئی ۔ کئی بار تو انھیں یُوں لگا کہ اب ایکسیڈنٹ ہوا اور اب ہوا ۔ دس منٹ کے سفر کے بعد کار ایک شان دار کوٹھی کے سامنے رک گئی ۔ اس علاقے میں صرف کوٹھیاں ہی کوٹھیاں تھیں، لیکن کافی فاصلے پر ۔ گویا علاقہ ابھی پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا ۔

"تشریف لائیے۔" لڑکی نے کار کو کوٹھی کے اندر کھڑا کرنے کے بعد کہا ۔ دروازے پر انھیں کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا ۔ وہ لڑکی کے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچے ۔ اب تک انھیں کوئی ذرا سی بھی

آواز سنائی نہیں دی تھی ۔

کمرے میں بھی کوئی نہیں تھا ۔ اس نے کُ[illegible]ل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

"آپ لوگ تشریف رکھیں ۔ میں انھیں لے کر آتی ہوں۔"

"کن کی بات کر رہی ہیں آپ ؟" شوکی بولا۔

"اپنے ڈیڈی کی ۔ وُہی آپ کو اصل مسئلہ بتائیں گے۔"

"شکریہ ۔ لیکن کوٹھی میں تو آپ کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔" شوکی نے کہا۔

"اچھا ۔ یہ اندازہ لگا لیا آپ نے۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"میں نے تو یہ اندازہ اپنے دفتر میں ہی لگا لیا تھا کہ آپ کوئی چال چلنے کی فکر میں ہیں ۔ بلکہ میرے چھوٹے بھائی نے بھی خطرے کو محسوس کر لیا تھا ۔ لیکن ۔ میں نے آپ کے ساتھ آنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"کیوں ؟" وُہ شوخ آواز میں بولی۔

"اس لیے کہ ہمیں اجمل گٹو کے دشمن کی تلاش ہے۔"

"کون اجمل گٹو۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"خیر خیر ۔ آپ نہیں جانتی ہوں گی ۔ آپ کے ڈیڈی جانتے ہوں گے ۔ بہرحال ہم ان سے بھی مُلاقات کر لیں گے ۔ لیکن اس وقت وُہ یہاں نہیں ہیں ۔ کچھ دیر بعد آ جائیں تو اور بات ہے۔"

"مسٹر شوکی ۔ آپ واقعی چالاک ہیں۔"

اُسی وقت کار کے ہارن کی آواز سُنائی دی ۔

"لیجیے وُہ آ گئے۔"

"انھیں آ ہی جانا چاہیے تھا ، کیوں کہ وُہ دوسری کار میں ہمارے پیچھے ہی تو آ رہے تھے۔"

"ارے ! آفتاب ، اخلاق اور اشفاق زور سے چونکے ۔ لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔ اُسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی ۔ اور ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا ۔ اس کی نظریں ان پر جم گئیں ، پھر وُہ قدرے حیران ہو کر بولا :

"کیا بات ہے بے بی ؟"

"مسٹر شوکی پہلے ہی بھانپ چکے ہیں کہ ہم انھیں دھوکے سے یہاں لائے ہیں۔" وُہ بولی۔

"چلو خیر ۔ کوئی بات نہیں ۔ بیٹھیے بھئی ۔ آپ لوگ کھڑے کیوں ہیں ۔"

چاروں بیٹھ گئے ۔ باپ بیٹی بھی ان کے سامنے بیٹھ گئے ۔ اس وقت لمبے آدمی کی آواز گونجی :

"مسٹر شوکی ۔ اجمل گٹو کہاں چھپا ہے ؟"

ان کے دل دھڑک اُٹھے ۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان سے یہ سوال پوچھا جائے گا۔

"تو کیا رات آپ لوگ ہمارے گھر میں اجمل گٹو کو تلاش کرتے رہے ہیں؟"

"نہیں۔ گھر کی تلاشی اور وجہ سے لی گئی تھی۔ اب تم لوگ یہ بتاؤ کہ اجمل گٹو کہاں ہیں؟"

"ہم نہیں جانتے۔" شوکی بولا۔

"اور اگر جانتے ہوتے تو بھی نہ بتاتے۔ مزے کی بات تو یہ ہے۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"مزے کی باتیں تو اب شروع ہوں گی۔ ایک دو نہیں —— بہت سی۔"

"اچھا۔ واقعی۔" شوکی بولا۔

ساتھ میں اُن کے دل بھی ڈوبے جا رہے تھے۔

"تم لوگوں کو زندہ اب صرف اس صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے کہ ہمیں اجمل گٹو کا پتا بتا دو۔"

"آپ کو اس سے دشمنی کیا ہے۔ وہ تو ایک بہت ہی غریب آدمی ہے۔"

"یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ تمھیں اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔" لمبا آدمی تلملا کر بولا۔

"ہمارے گھر میں کیا چیز تلاش کی جا رہی تھی؟"

"ہمارا خیال تھا کہ اجمل گٹو نے اپنی کچھ قیمتی چیزیں تم لوگوں

کے پاس بطور امانت رکھوائی ہیں۔ ہمیں بھی ان چیزوں کی ضرورت ہے، اس لیے وہاں کچھ کارندے بھیج دیے گئے تھے۔ لیکن افسوس۔ وہاں کچھ نہ ملا۔"

"اجمل گٹو نے کوئی قیمتی چیز ہمارے پاس رکھوائی ہی نہیں۔" آفتاب نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"بے بی۔ یہ لوگ اس طرح نہیں مانیں گے۔ اب ذرا تم انھیں اپنا کمال دکھاؤ۔ میں دروازے پر کھڑا ہوتا ہوں، تاکہ ان میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ تیزی سے اُٹھا اور دروازے پر پہنچ گیا۔ ساتھ ہی اس نے پستول نکال لیا۔ اور اس کی نال ان کی طرف کر دی۔ ادھر لڑکی اُٹھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر سیاہ رنگ کے دستانے سے چڑھے ہوئے تھے۔

"مَیں اپنے دَور کی بہترین باکسر ہوں۔ میرے مُکّوں سے بڑے بڑے گھبراتے ہیں۔" یہ کہ کر وہ شوکی کی طرف بڑھی۔ ان کے رنگ اُڑ گئے۔

"ہاں۔ لیکن۔ ہم نے آپ کا بگاڑا کیا ہے۔ یہ بھی تو بتائیں۔" شوکی بوکھلاہٹ کے عالم میں پیچھے ہٹنے لگا۔

"لیجیے سر۔ اس بے چارے کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ انھوں نے کیا کیا ہے۔" لڑکی شوخ لہجے میں بولی۔

"یہ بھی تم انہیں مکّوں کی زبان میں بتاؤ — کوئی دُوسری زبان یہ نہیں سمجھتے۔"

"یہ سراسر الزام ہے — ہم اُردو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں — لکھ اور پڑھ بھی لیتے ہیں۔" آفتاب نے اعلان کیا۔

"دیکھو — زبان کس طرح فر فر چلتی ہے ان کی — اور ذرا سی بات بتا نہیں سکتے۔" لمبے آدمی نے جھنّا کر کہا۔

"کک — کون سی ذرا سی بات؟"

"اجمل گٹو کہاں ہے؟"

"تو آپ بھی تو بالکل ذرا سی بات نہیں بتا رہے — یہ کہ آپ کو اجمل گٹو سے دشمنی کیا ہے؟"

"اس وقت ہم تمھارے قبضے میں نہیں ہیں۔" لمبے آدمی نے منہ بنایا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"یہ کیا شمانا — تم باتیں سُننے کے لیے رُک کیوں گئیں — فکر نہ کرو — لاتوں اور مکّوں کے ساتھ ساتھ باتیں بھی جاری رہیں گی۔"

"اچھی بات ہے مسٹر کوبران۔"

یہ کہتے ہی وہ زور سے تڑپی اور اس کے دائیں ہاتھ کی ہڈی شوکی کی ہنسلی کی ہڈی پر گرتی نظر آئی — شوکی اس وقت تک دیوار سے جا لگا تھا — خوف زدہ انداز میں ایک چیخ سی اس کے منہ سے نکلی اور گھبراہٹ کے عالم میں وہ بائیں طرف سرک گیا — شمانا کا ہاتھ دیوار پر لگا۔

"اوئی — میں مرگئی۔"

"کک — کیا ہوا محترمہ — دیوار نے کہیں کاٹ تو نہیں لیا۔" آفتاب نے گڑبڑا کر کہا۔

"میں تم لوگوں کو تگنی کا ناچ نچا دوں گی۔" وہ تلملا کر پلٹی۔

"اور — اور ابھی کون سا ناچ تھا؟" اشفاق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"فکر نہ کرو — چوکڑیاں بھول جاؤ گے۔"

"آپ — آپ کہیں محاورات کی باکسر تو نہیں ہیں؟" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

اسی وقت اس نے دُوسرے ہاتھ کا مکّا شوکی کی ٹھوڑی پر جڑ دیا، لیکن اس سے پہلے کہ مکّا اس کی ٹھوڑی تک پہنچتا — وہ دھب سے نیچے بیٹھ گیا اور لڑکی کی دونوں ٹانگوں کے درمیان سے نکل کر سیدھا آفتاب کے پاس چلا آیا:

"بھئی کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو — کچھ تم بھی ہاتھ پیر ہلاؤ۔"

"ہلائیں گے بھائی جان — لیکن اپنی باری پر۔" اخلاق بولا۔

"دُوسری بات یہ کہ ہم منہ نہیں — لڑائی دیکھ رہے ہیں — آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم — یہ دونوں کیا خیال کریں گے۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"کون دونوں؟" شوکی نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔

" ان دونوں کے علاوہ یہاں ہے ہی کون۔"

" تو ان کے کچھ خیال کرنے سے ہماری صحت پر کیا اثر پڑے گا۔" شوکی نے منہ بنایا۔

" شمانا ۔ کیا بات ہے ۔ تم اب تک ایک ہاتھ بھی نہیں دکھا سکیں۔"

" میں ذرا مزا لے رہی تھی۔" وہ مسکرائی۔

" تھوڑا سا ہماری طرف بھی ارسال کر دیں ۔ بہت دن ہو گئے مزا لیے۔" آفتاب جلدی جلدی بولا۔

" بھئی جلدی کرو ۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ۔ کوٹھی والے نہ آ جائیں۔" کوبران نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

" ہائیں ۔ کیا یہ آپ کا اپنا گھر نہیں ہے ؟"

" نہیں ۔ گھر کو تالا لگا ہوا تھا ۔ ہم نے سوچا ۔ کیوں نہ تم چاروں کو پکڑ کر یہاں لے آئیں اور دو دو باتیں کریں۔"

" دو دو کیا ۔ یہاں تو کئی کئی باتیں ہو چکی ہیں ۔ لہٰذا اب اجازت دیں۔" اشفاق نے خوش ہو کر کہا۔

اُسی وقت لڑکی پُر سکون انداز میں شوکی کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس بار جو وہ اُچھلی تو اُس کے دونوں پیر شوکی کے سینے کا رُخ کرتے نظر آئے ۔ وہ چلّا اُٹھا:

" ارے باپ رے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے گرا اور ادھر شمانا کے پَیر

ہوا میں لہرائے ، پھر وہ بھی فرش پر گری ۔

" نہیں شمانا ۔ تم انھیں عام آدمی خیال کر رہی ہو ۔ بچوں کی طرح ان سے سلوک کر رہی ہو ۔ جب کہ یہ بہت گھاگ ہیں۔"

" ہمیں تو معلوم بھی نہیں کہ گھاگ کیا ہوتا ہے ۔ اتنا ظلم تو نہ کریں ہم پر۔" اخلاق نے منہ بنا کر کہا۔

" تو پھر مسٹر کوبران ۔ اب میرا کمال دیکھیے۔"

یہ کہ کر وہ بلا کی تیزی سے اُچھلی اور آفتاب نے عین اُوپر آ کر گری ۔ آفتاب کے منہ سے چیخ نکل گئی ۔ لیکن وہ بھی بلا کی پھرتی سے ہی ایک طرف لڑھک گیا تھا اور شمانا دھب سے فرش پر گری ۔ اس مرتبہ وہ فوراً نہ اُٹھ سکی ۔ یہ دیکھ کر آفتاب بولا:

" دد ۔ دیکھیے محترمہ ۔ ناراض نہ ہوں ۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔"

" شمانا ۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ۔ کہیں آج تم لڑنا بھول تو نہیں گئیں۔" کوبران کے لہجے میں حیرت تھی۔

" نہیں مسٹر کوبران ۔ ہم نے دراصل ان کے خوف اور لرزنے سے بالکل غلط اندازہ لگایا تھا ۔ یہ ڈرپوک صرف بنتے ہیں ۔ ہیں نہیں ۔ ہیں یہ بہت بے خوف ۔ اور میں نے شاید اپنی زندگی میں اتنے چالاک لوگ نہیں دیکھے۔"

" اگر آپ کی خواہش ہم سے زیادہ چالاک لوگ دیکھنے کی ہے تو یہ

بھی کچھ مشکل نہیں۔ شوکی ہنسا۔

"کیا مطلب؟" دونوں چونک کر بولے۔

"ہمارے کچھ دوست ہیں۔ جو ہم سے کہیں زیادہ تیز طرار ہیں۔"

"شکریہ۔ ہمیں شوق نہیں۔ شمانا۔ اب تم دروازے پر آ جاؤ۔
میں ان سے دو دو ہاتھ کرتا ہوں۔"

کوبران نے پستول اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا اور یہی اس
کی غلطی تھی۔ آفتاب بری طرح اچھلا۔ اور کرکٹ کی گیند کی طرح
پستول کیچ کر لیا۔ ساتھ ہی اس نے دیوار کی طرف چھلانگ لگائی
اور مسکرا کر بولا:

"اب آپ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔"

"دیکھا مسٹر کوبران۔ میں نے کہا نہیں تھا۔ یہ عام لوگ نہیں ہیں۔"
شمانا بولی۔

"مجھ سے غلطی ہوئی۔ خیر کوئی بات نہیں۔"

"آپ نے اب تک ہاتھ نہیں اٹھائے۔" آفتاب غرایا۔

دونوں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ جیسے بالکل بھی
خوف زدہ نہ ہوں۔

"اشفاق تم فوراً انکل کاشان کو فون کرو۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

کوٹھی میں فون موجود تھا۔ اشفاق نے جلدی جلدی انسپکٹر کاشان

کو فون کیا۔ ریسیور رکھا ہی تھا کہ ایک چیخ کی آواز گونجی:

"ہائے۔ ہمارا دروازہ کھلا ہے۔ شاید چور صفایا کر گئے۔" آواز
عورت کی تھی۔

"چلاؤ نہیں بیگم۔ اطمینان رکھو۔ ہم نے کون سی بڑی رقم یا
قیمتی زیورات گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔" ایک مرد کی آواز گونجی اور پھر تیز
تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ جلد ہی دونوں ان کے سامنے
پہنچ گئے۔

"ہائیں۔ یہ کیا۔ چور تو ابھی یہیں موجود ہیں۔" عورت نے گھبرا
کر کہا، مرد بھی کانپنے لگا۔

"ہم۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں جناب۔ ہم فون کر چکے ہیں۔ پولیس آتی
ہی ہو گی۔" شوکی نے مسکرا کر کہا۔

"ہائیں۔ چوروں نے پولیس کو خود کب سے فون کرنا شروع کر
دیا۔" مرد حیران ہو کر بولا۔

"ہم چور نہیں ہیں۔ چور یہ دونوں ہیں۔ آپ کی نظر تو کمزور
نہیں ہے۔ ہم نے ان پر پستول تان رکھا ہے۔"

"اوہ۔ یہ بات تو خیر ٹھیک ہے۔ نظر تو میری واقعی کمزور
ہے۔" اس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا، پھر جلدی سے بولا:

"واقعی۔ یہ تو معاملہ کچھ اور ہے۔ یہ دونوں حضرات ہاتھ

اُٹھائے کھڑے ہیں ۔ اور یہ چاروں حضرات ہاتھ گرائے کھڑے ہیں"۔ اس کا انداز بالکل بے وقوفوں جیسا تھا۔

"آپ کو کیا ہو گیا ہے جی ۔ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں" عورت نے اسے گھورا۔

"شش ۔ شاید ۔ میں ۔ میں" وہ اٹک کر رہ گیا۔

"بس آپ رہنے دیں ۔ میں خود ان سے بات کرتی ہوں" یہ کہ کر وہ آگے بڑھی :

"ارے ۔ ارے ۔ کیا کر رہی ہیں" شوکی چلّایا۔

"کک ۔ کیا ہوا ؟"

لیکن جو ہونا تھا ۔ اس وقت تک ہو چکا تھا ۔ عورت بے خبری کے عالم میں ان کے اور کوبران اور شمانا کے درمیان میں آ گئی تھی ۔ اتنا موقع ہی ان دونوں کے لیے بہت کافی تھا ۔ انھوں نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور یہ جا وہ جا۔

شوکی برادرز ان کے پیچھے بھاگے ضرور ، لیکن جب کوٹھی سے نکل کر سڑک پر آئے تو ان کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔ اور مزے کی بات یہ کہ وہ گئے بھی پیدل تھے ۔ وہ کار جُوں کی توں کھڑی تھی ۔ جس میں لڑکی انھیں یہاں لے کر آئی تھی ۔

"حیرت ہے ۔ وہ اس قدر جلد کہاں غائب ہو گئے ؟"

"بہت تیز تھے کم بخت ۔ دوڑ کر کسی گلی میں مُڑ گئے" شوکی

نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"خیر ۔ آئیے ۔ اندر ۔ اب کیا ہو سکتا ہے ؟"

وہ اندر آئے تو دونوں بُت بنے بیٹھے تھے :

"یہ ۔ یہ سب کیا تھا ۔ بھئی" عورت بولی۔

"ایک عجیب کہانی ہے ۔ ابھی پولیس آتی ہو گی ۔ ان کی موجودگی میں بتائیں گے"

"اچھی بات ہے ۔ ہم ذرا کپڑے تبدیل کر لیں"

"ضرور ۔ کیوں نہیں"

تین منٹ بعد وہ پھر اس کمرے میں آ گئے ۔ اب ان کے جسموں پر دُوسرے کپڑے تھے ۔ دونوں کافی پریشان نظر آ رہے تھے ۔

"تو آپ اس کوٹھی کے مالک ہیں؟"

"ہاں ۔ ہیں تو سہی" مرد بولا۔

"وہ دونوں جو یہاں سے فرار ہوئے ہیں ۔ آپ ان کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟"

"زندگی میں پہلی بار انھیں دیکھا ہے" عورت نے کہا۔

"بیگم ۔ ایسا نہیں کہا جا سکتا ۔ ہو سکتا ہے ۔ چلتے پھرتے ۔ ہم نے انھیں پہلے بھی دیکھا ہو" مرد نے کہا۔

"ہاں ! یہ ہو سکتا ہے ، لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ ہم نہیں

جانتے ۔ وہ کون ہیں۔"

"ہاں ! یہ بات درست ہے۔" مرد بولا۔

"آپ کے نام کیا ہیں ؟"

"یہ مسٹر گردھاری ہیں ۔ اور میں ان کی بیوی۔" عورت نے تعارف کرایا۔

"کیا آپ گھر سے کہیں جاتے وقت کوٹھی کو تالا نہیں لگاتے ؟ کار کو گیراج میں بند نہیں کرتے ؟"

"تالے لگائے گئے تھے ۔ ہاں ! کار گیراج میں نہیں کھڑی کی گئی تھی ۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے ۔ جو لوگ کوٹھی کے دروازوں کے تالے کھول سکتے ہیں ۔ وہ گیراج کا تالا بھی کھول سکتے ہیں۔"

"حیرت تو یہ ہے کہ آپ کے پڑوسیوں نے بھی انھیں نہیں ٹوکا۔"

"یہاں سب اپنی اپنی دُنیا میں مگن ہیں ۔ کسی کو کیا پڑی کہ دُوسرے کے معاملات میں دل چسپی لے۔"

اسی وقت پولیس کی گاڑی کی آواز سُنائی دینے لگی ، جلد ہی انسپکٹر کاشان اور اس کے ماتحت ان تک پہنچے ۔

شوکی نے پھر تفصیل سُنا دی ۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے ۔

"کہانی بہت عجیب و غریب سی ہے ۔" اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"جی ہاں ۔ ہے تو سہی ۔ ہمیں اجمل گٹو کو کریدنا ہوگا ۔ شاید وہ کوئی بات چھپا رہا ہے۔" آفتاب نے کہا۔

"لیکن ہمیں نہیں معلوم ۔ وہ کہاں چھپا ہوا ہے ۔ خود ہی رابطہ کرے گا تو کوئی بات ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر ۔ یہاں سے چلتے ہیں۔" انسپکٹر کاشان نے کہا۔

"ٹھیک ہے انکل۔"

کام مکمل ہوتے ہی وہ وہاں سے روانہ ہو گئے ۔ شوکی برادرز گھر پہنچے تو فون کی گھنٹی پھر بج رہی تھی ۔ دُوسری طرف سے اجمل گٹو کی آواز سُن کر شوکی جلدی سے بولا:

"مسٹر گٹو ۔ ایک اور واقعہ ہو گیا ہے ۔ آپ کا ہم سے فوری طور پر ملنا بہت ضروری ہے ۔ اب یا تو آپ یہاں آ جائیں ۔ یا پھر ہمیں پتا بتا دیں۔"

"میں پتا نہیں بتاؤں گا ۔ ہاں خود آ جاتا ہوں ، لیکن اگر دشمنوں نے مجھے پہچان لیا اور ٹھکانے لگا دیا تو..."

"زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے ۔ آپ یوں کریں کہ اپنے حلیے میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے آ جائیں۔"

"اچھی بات ہے ۔ میں ایسا ہی کروں گا ۔ آپ میرا انتظار

کریں۔" اجمل گٹو نے کہا۔

شوکی برادرز انتظار کرنے لگے ۔ یہاں تک کہ اجمل گٹو وہاں پہنچ گیا۔ دفتر کے دروازے بند کرنے کے بعد شوکی نے اسے تازہ واقعہ سنایا۔ اجمل گٹو کی آنکھوں میں اُلجھن تیر گئی:

"اس کا مطلب ہے ۔ وہ لوگ ہر قیمت پر میری جان لینا چاہتے ہیں۔"

"ہاں! اس سے تو یہی ظاہر ہے۔"

"تب پھر ۔ مجھے کہیں اور چھپ جانا چاہیے۔"

"آپ ایسا ضرور کریں ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا ۔ سوال تو یہ ہے کہ آپ میں آخر ایسے کون سے سُرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں۔ جو کچھ نا معلوم لوگ آپ کی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔"

"میں خود حیران ہوں۔" اس نے کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کچھ چھپا رہے ہوں۔" شوکی نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

"جی نہیں ۔ بالکل نہیں۔"

"آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟"

"جنگل والی اسی جھونپڑی میں، جس کو جلا دیا گیا ۔ بتا ہی چکا ہوں۔" اس نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہُوں ۔ آپ کی والدہ نے آپ کو آپ کے بارے میں یا آپ کے والد کے بارے میں کچھ بتایا کبھی؟"

"نہیں ۔ کچھ نہیں بتایا ۔ شاید بتانے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔"

"ہوں! تب پھر ۔ سوال یہ ہے کہ کچھ نا معلوم آدمی آپ کو کیوں جان سے مار ڈالنے پر تُلے ہیں ۔ جب انہیں آپ کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ۔ کوئی اور چکر بھی نہیں ۔ دشمنی بھی نہیں تو ایسا کیوں ہے؟"

"یہ باتیں سوچ سوچ کر تو میں خود کو پاگل محسوس کرنے لگا ہوں۔" اس نے اپنے بال مٹھی میں بھینچ لیے ۔

"خیر ۔ آپ زیادہ پریشان نہ ہوں ۔ اور پہلے سے بھی زیادہ محتاط رہیں ۔ وہ لوگ کسی نہ کسی طرح آپ کا سُراغ لگانے کی فکر میں ہیں۔"

"فکر نہ کریں ۔ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔" اس نے کہا۔

"تب پھر آپ جا سکتے ہیں ۔ فون پر رابطہ قائم رکھیے گا۔"

"جی بہتر ۔ میں ایسا ضرور کروں گا۔" اس نے کہا اور اُٹھ کر دفتر سے چلا گیا ۔

ایسے میں آفتاب نے کہا:

"ہم نے اسے یہاں بُلا کر غلطی کی تھی ۔ ہو سکتا ہے، مُجرم ہمارے دفتر کی نگرانی کر رہے ہوں۔"

"اوہ! واقعی ۔ یہ بات ہو سکتی ہے ۔ آؤ دیکھتے ہیں۔"

یہ کہہ کر شوکی باہر کی طرف دوڑ پڑا، لیکن اجمل گٹو کہیں نظر نہ آیا۔ شاید اسے فوراً ہی ٹیکسی مل گئی تھی۔

"افسوس! اب ہم کچھ نہیں کر سکتے" اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"اب اگر۔ اجمل گٹو ان کے ہتھے چڑھ گیا تو اس کا افسوس ہمیں زندگی بھر رہے گا" اشفاق نے اداس لہجے میں کہا۔

"میں چاہتا ہوں۔ اب یہ کیس جلد از جلد ختم ہو جائے" اخلاق کی آواز سے پریشانی جھانک رہی تھی۔

"جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ اجمل گٹو کو وہ لوگ کیوں ہلاک کرنا چاہتے ہیں، اس وقت تک شاید ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے" شوکی نے کہا۔

"اور میں محسوس کر رہا ہوں۔ کیس بہت خطرناک ہے" آفتاب بولا۔

"کم خطرناک کیسوں میں تو ہمیں یوں بھی مزا نہیں آتا" اشفاق مسکرایا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ماضی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کہ اجمل گٹو کو اپنے ماضی کا کچھ بھی پتا نہیں" اخلاق نے خیال ظاہر کیا۔

"میں ذرا ان تمام واقعات کو تحریری شکل میں محفوظ کر لوں، پھر ہم ان کو پڑھ کر معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے" شوکی نے کہا اور کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ گیا، پھر اس کا قلم تیزی سے کاغذ پر سرکنے لگا۔ وہ بالکل مصنفوں کے انداز میں تیزی سے

قلم چلا رہا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی، لیکن شوکی نے فون کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ آفتاب نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ اور پھر دوسری طرف کی آواز سن کر چونک اٹھا:

"مسٹر گٹو۔ یہ تم ہو۔ کیا کہا۔ اوہ۔ اچھا" ان الفاظ کے ساتھ ہی آفتاب نے ریسیور پٹخ دیا اور چلا کر بولا:

"چلیے۔ اس کی زندگی خطرے میں ہے"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اس وقت تک آفتاب دروازے سے باہر نکل چکا تھا اور جب تک وہ تینوں فٹ پاتھ پر پہنچے، وہ ایک ٹیکسی کو روک کر اس میں سوار ہو چکا تھا۔ تینوں جلدی جلدی ٹیکسی میں داخل ہو گئے:

"گلنار ہوٹل" آفتاب بولا۔

"جی بہتر!" ڈرائیور بولا۔

"کیا کہا۔ گلنار ہوٹل!" شوکی چونکا۔

"ہاں! اس نے اپنا یہی پتا بتایا ہے۔ کمرہ نمبر ١٣"

"اُف۔ وہ کہاں جا پھنسا۔ گلنار ہوٹل تو شہر کا بدنام ترین ہوٹل ہے" شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

"شاید اسے اپنے لیے یہی جگہ محفوظ نظر آئی ہو گی"

وہ گلنار ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اترے۔ تیز تیز قدم اٹھاتے اندر داخل ہوئے۔ کمرہ نمبر ١٣ دوسری منزل پر تھا۔ اس کا دروازہ

اندر سے بند تھا۔

"مسٹر گٹو۔ دروازہ کھولیے۔" شوکی نے تیز آواز نکالی، پھر ہاتھ سے دستک بھی دی۔

عین اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی۔ وُہ جلدی سے مُڑے اور پھر دھک سے رہ گئے۔ آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

گھڑی

انسپکٹر جلالی نور اپنے ماتحتوں اور ماہرین کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ جونہی اس کی نظر ان پر پڑی۔ وہ بھی زور سے چونکا، اور پھر ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلنے لگی۔ نزدیک آنے پر اس نے کہا۔

"تم لوگوں کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اس سے پہلے کہ میں کمرے میں داخل ہوں۔ یہ بتا دو۔ تم یہاں کس سلسلے میں کھڑے ہو۔"

"ہمارے ایک مؤکل مسٹر اجمل گٹو اس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ہی انھوں نے ہمیں فون کیا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں، لہٰذا ہمیں ادھر آنا پڑا۔"

"بہت خوب۔ تو اب تم لوگوں نے دوسروں کو خطرے سے بچانے کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ گویا محکمہ پولیس والوں کو مکمل طور پر چھٹی دلانے کا پروگرام ہے۔"

"جی نہیں — محکمہ پولیس سلامت رہے — ہمارا کام پولیس سے ٹکرانا نہیں ہے۔" اشفاق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"خیر — تو تمہارے کوئی موکل اس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور انھوں نے تمہیں فون کر کے یہاں بلایا تھا — کیا تم دستک دے چکے ہو؟"

"جی ہاں — لیکن مسٹر اجمل گوڈ نے اندر سے جواب نہیں دیا۔"

"ہوں — تم لوگ ایک طرف ہٹ جاؤ — لیکن فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔"

"جی — بھلا ہم ایسی کوشش کیوں کریں گے۔" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرے خیال میں تم ایسی کوشش کر سکتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور دروازے پر دستک دی — اس کا ہاتھ لگتے ہی دروازہ کھل گیا — اور پھر اندر کا منظر دیکھ کر ان کے رنگ ہی تو اڑ گئے، کم از کم انھیں یہ امید نہیں تھی کہ اس قسم کا منظر دیکھنے میں آئے گا — اندر اجمل گوڈ کی لاش پڑی تھی — خنجر اس کے سینے میں موجود تھا — اس کا خون پھیل کر دروازے تک آ گیا تھا۔

"اُف — تو یہ تم لوگوں کا کام ہے۔" جلالی نور نے گھبرا کر کہا۔

"آپ بھی کیا بات کرتے ہیں — بھلا یہ ہمارا کام کیسے ہو گیا — قتل کرنے کے بعد قاتل آرام سے مقتول کے دروازے پر کھڑے نہیں رہا کرتے — وہ فرار ہونے کی کرتے ہیں — جب کہ ہم یہاں آپ کو کھڑے نظر آئے تھے۔"

"وہ تم مجھے دیکھ کر رک گئے تھے۔" اس نے کہا۔

"تب پھر نیچے کاؤنٹر کلرک کو بلا لیں — ہم ابھی صرف دو منٹ پہلے ان سے کمرے کے بارے میں پوچھ کر اوپر آئے تھے — اتنی سی دیر میں اگر قتل کی یہ بھیانک واردات ہو سکتی ہے تو ضرور ہمیں گرفتار کر لیں — لیکن پہلے یہ سوچ لیں کہ خنجر کے دستے پر ہم میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات ہیں یا نہیں۔"

"نشانات تم نے مٹا دیے ہوں گے۔"

"اس کا فیصلہ ڈاکٹر کی رپورٹ کے بعد ہو گا — قتل کی واردات دو تین منٹ پہلے کی ہے تو ضرور ہم پر شک کر سکتے ہیں — جب کہ اجمل گوڈ نے ٹھیک بیس منٹ پہلے ہمیں فون کیا تھا اور یہ اطلاع دی تھی کہ وہ خطرے میں ہے، اس فون کی تصدیق بھی ہوٹل کے آپریٹر سے کی جا سکتی ہے — کیوں کہ اجمل گوڈ نے اسی کمرے سے فون کیا ہو گا، اور آپریٹر سے ہمارا نمبر مانگا ہو گا — اب اگر ڈاکٹر آ کر یہ

کہ دیتا ہے کہ قتل پندرہ منٹ پہلے ہوا تھا تو ہم بال بال بچ جاتے ہیں — اور اگر دو تین منٹ پہلے ہوا تھا تو ہم پر شک کیا جائے گا — کیا خیال ہے؟"

"ہاں ٹھیک — میں بھی زبردستی تمہیں پکڑنے کی کوشش نہیں کروں گا۔" جلالی نور نے کہا۔

اور پھر کارروائی شروع ہوئی — ڈاکٹر نے معائنے کے بعد کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قتل بیس منٹ پہلے ہوا ہے — تاہم پوری رپورٹ پوسٹ مارٹم کے بعد ہی دی جا سکے گی۔"

اور جلالی نور کا منہ لٹک گیا۔

"مایوس نہ ہوں انکل خلالی جور — اگر پوری رپورٹ میں دو تین منٹ کا ذکر آگیا تو آپ ہمیں گرفتار کرنے کے لیے خوشی سے آ سکتے ہیں۔" آفتاب نے شوخ آواز میں کہا۔

"اور اب ہم چلیں گے۔"

جلالی نور کچھ نہ بولا — وہ ہوٹل سے نکل آئے —

"معاملہ اور الجھ گیا ہے — ابھی تک ہم مجرموں کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔" شوکی بڑبڑایا۔

"اگر انسپکٹر جلالی نور وہاں نہ آ جاتے تو ہم لاش کا معائنہ کر لیتے — اور شاید ہمیں کوئی کام کی چیز بھی مل جاتی، لیکن

اس نے تو ہمیں باہر سے ہی ٹرخا دیا — اندر تو جانے ہی نہیں دیا۔"

"خیر کوئی بات نہیں — ہم انکل کاشان سے مدد لیں گے۔"

یہ کہہ کر شوکی ایک پبلک فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا:

"ہیلو انکل! شوکی بول رہا ہوں — پہلے مختصر طور پر حالات سُن لیں، پھر میں ایک کام آپ کو بتاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" انسپکٹر کاشان نے کہا۔

تفصیل سنانے کے بعد شوکی نے کہا:

"اور اب انکل — آپ جلالی نور کے پولیس اسٹیشن میں موجود اپنے کسی آدمی کے ذریعے صرف یہ معلوم کرا دیں کہ لاش کے آس پاس سے کوئی کام کی چیز تو نہیں ملی۔"

"بہت اچھا — تم فکر نہ کرو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

فون بوتھ سے نکل کر شوکی نے کسی ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں — نزدیک ہی ایک ٹیکسی کھڑی نظر آئی — اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا — ٹیکسی ان کے قریب آ کر رک گئی — چاروں اس میں بیٹھ گئے — شوکی نے اپنی سڑک کا نام لے بتایا اور ٹیکسی روانہ ہو گئی، لیکن صرف ایک منٹ بعد آفتاب نے چونک کر کہا:

"آپ غلط سڑک پر مڑ گئے ہیں۔"

"آپ کو شاید معلوم نہیں — ابھی صرف چند منٹ پہلے محکمہ ٹیلی فون والوں نے سڑک بند کر دی ہے — وہ کیبل بچھا رہے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔" شوکی بولا۔

ان دنوں شہر میں واقعی کیبل بچھائے جا رہے تھے — اس لیے وہ ایک منٹ تک اور بے فکر ہو کر بیٹھے رہے — لیکن پھر ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے — ڈرائیور اب بالکل ہی غلط سمت میں مڑ گیا تھا۔

"یہ کیا بھئی —" شوکی نے قدرے گھبرا کر کہا۔

"اب تم لوگ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالو گے — ورنہ میں ٹیکسی فٹ پاتھ سے ٹکرا دوں گا۔"

"اور اس طرح کیا تم خود بچ جاؤ گے۔" آفتاب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سات خون کر چکا ہوں — پولیس میرے پیچھے ہے — آج نہیں تو کل پکڑا ہی جاؤں گا — لہذا مجھے کیا خوف ہو سکتا ہے — ہاں خوف تمہیں ہونا چاہیے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

وہ سکتے میں آ گئے — اس کی سفاک مسکراہٹ نے ان کے رونگٹے کھڑے کر دیے — آخر شوکی نے ہمت

کر کے کہا۔

"پروگرام کیا ہے۔"

"صرف اتنا کہ تم اس کیس میں ٹانگ نہ اڑا سکو اور باس کا خیال ہے — اس کا صرف اور صرف ایک طریقہ ہے۔"

"اور — وہ کیا۔" اشفاق مُردہ آواز میں بولا۔

"یہ کہ تم لوگوں کو غائب کر دیا جائے۔"

"دنیا سے یا شہر سے۔"

"فی الحال باس کا پروگرام شہر سے غائب کرنے کا ہے — کیوں کہ زندہ حالت میں تم زیادہ مفید ثابت ہو سکتے ہو — لیکن اگر ضرورت پیش آئی — تو دنیا سے بھی غائب کیے جا سکتے ہو۔"

"یا اللہ رحم۔" اخلاق بولا۔

"اجمل گڈو کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے؟"

"اس میں کیا شک ہے — یہ کام بھی باس نے میرے ذمے لگایا تھا — اور ہدایت دی تھی کہ اسے ختم کر کے ہوٹل کے باہر آ کر اطمینان سے ٹیکسی میں بیٹھ جاؤں اور پھر جب تم آؤ تو چانس کر اس کے پاس پہنچا دوں۔"

"بہت خوب — تمہارا نام کیا ہے مسٹر۔" شوکی نے بے فکری کے عالم میں کہا۔

"یس — مجھے استاد جیدا کہتے ہیں۔"

"باس کے لیے یہ گھناؤنے کام کر کے کیا مل جاتا ہے؟"

"پندرہ ہزار روپے ماہانہ۔" اس نے کہا۔

"وہ شخص کرتا کیا ہے؟"

"بہت گہرا آدمی ہے — کوئی نہیں جانتا — کیا کرتا ہے، اور کیا نہیں — ہمیں تو بس اشارے کرتا رہتا ہے — کہ یہ کرو۔ وہ کرو — فلاں کو ختم کر دو — فلاں کو اغوا کر لاؤ۔"

"اس کا مطلب ہے — اس کا کام بہت پھیلا ہوا ہے؟"

"کوئی ایسا ویسا — پورے ملک میں اس نے اپنے آدمیوں کا جال پھیلا رکھا ہے — تم تو اس کے لیے چیونٹیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔"

"تب پھر — وہ ہم سے خوف زدہ کیوں ہے؟" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اس لیے کہ چیونٹی کبھی کبھار کاٹ بھی لیتی ہے — اور نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

وہ خاموش ہو گئے — پھر ٹیکسی جنگل میں داخل ہوئی — اور انھیں یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ وہ جنگل کے اس حصے میں سفر کر رہے تھے — جس طرف اجمل گنڈو کی جھونپڑی تھی — ان کی حیرت اب لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی اور

پھر درختوں کے گھنے جھنڈ کے درمیان ایک بہت پرانی عمارت کے سامنے استاد جیدے نے ٹیکسی روک دی — ساتھ ہی اس نے پستول نکال لیا اور غراتی آواز میں بولا:

"تم میں سے جس نے بھی فرار ہونے کی کوشش کی — گولی اس کے جسم میں ایک عدد روشن دان بنا دے گی۔"

"ٹھٹھ — ٹھیک ہے۔"

استاد جیدے نے مکان کے دروازے پر دستک دی تو ایک کالے رنگ کے آدمی نے دروازہ کھول دیا — ساتھ ہی اس نے دانت نکال دیے:

"اوہ — استاد ہیں — آہا — یہ چوہے بھی پکڑے گئے آخر۔"

"کبھی ہمیں چیونٹیاں کہا جا رہا ہے — تو کبھی چوہے — ہم اس کا انتقام تم لوگوں سے ضرور لیں گے۔" آفتاب نے جل بھن کر کہا۔

"تم اور انتقام لو گے — ہا ہا ہا۔" کالا آدمی زور سے ہنسا۔

"ہاں کیوں نہیں — بس تم دیکھتے جاؤ۔" اخلاق نے کہا۔

"ضرور دیکھتے جائیں گے۔" استاد جیدے نے بھی ہنس کر کہا۔

اور پھر وہ انھیں لیے اندر آئے — ایک کمرے میں انھیں دو آدمی نظر آئے — ان میں سے ایک پر نظر پڑتے

ہی وہ دھک سے رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے
کہ اس سے اس جگہ ملاقات ہو سکتی ہے۔

○

انسپکٹر کاشان کا ایک ماتحت اس کے دفتر میں داخل ہوا،
اور سلام کے بعد بولا:

"سر۔ انسپکٹر جلالی نو۔ صاحب کے پولیس اسٹیشن سے
ہمارے آدمی نے ایک اطلاع بھیجی ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیا اس نے کوئی آدمی بھیجا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"حیرت ہے۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔ وہ مجھے فون کر
سکتا تھا۔"

"کوئی تو وجہ ہو گی ہی سر۔"

"اچھا خیر۔ اسے بھیج دو۔" اس نے کہا۔ ماتحت چلا
گیا اور ایک کانسٹیبل داخل ہوا۔

"السلام علیکم سر۔ یہ پیغام وصول فرمائیں۔"

"ماجد نے فون کیوں نہیں کیا۔"

"انسپکٹر صاحب نے ان کی ڈیوٹی اپنے ساتھ لگا لی ہے،

اور ہر وقت ساتھ لیے پھر رہے ہیں۔ یہ پیغام بھی انھوں نے
نظر بچا کر لکھا اور مجھے دے دیا۔"

"ہوں خیر۔" اس نے کہا اور کاغذ کھول ڈالا۔ اس پر
لکھا تھا:

"لاش کے پاس سے ایک عجیب قسم کی گھڑی ملی ہے۔ جو
کم از کم مقتول کی نہیں ہو سکتی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جا سکتے ہو۔ موقع پا کر ماجد سے کہ
دینا ۔۔ اور بھی کوئی کام کی بات معلوم ہو تو مجھے پیغام دینے
کی کوشش کرے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور چلا گیا۔ اب انسپکٹر کاشان نے
شوکی کے نمبر ملائے۔ دوسری طرف پہلے تو گھنٹی بجتی رہی،
پھر ارشد کی آواز سنائی دی:

"ہیلو ارشد۔ یہ لوگ کہاں ہیں۔"

"ان کا کوئی پتا نہیں سر۔ گھر والے بھی پریشان ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اپنے موکل اجمل گنگو کا فون سننے کے بعد وہ یہاں سے
ہوٹل گلنار کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اب تک واپس
نہیں آئے۔"

"اوہو اچھا۔ تب تو انھیں تلاش کرنا چاہیے۔ اچھا میں

کوشش کرتا ہوں۔"

انسپکٹر کاشان نے ادھر ادھر فون کرنا شروع کیے ۔۔ لیکن آدھ گھنٹے کی کوشش کے بعد بھی ان کا کوئی پتا نہ چل سکا۔ اس نے پھر شوکی کے گھر فون کیا ۔۔ ادھر سے اس کی والدہ نے وہی ارشد والی بات دہرائی ۔۔ اور بتایا کہ شوکی کے والد تلاش میں نکلے ہیں۔

"اچھا تو پھر میں بھی تلاش میں نکلتا ہوں۔" اس نے کہا۔

وہ رات گزر گئی ۔۔ دوسرے روز شوکی برادرز کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی گئی ۔۔ وہ تمام دن بھی گزر گیا تو مشتاق احمد خان، کرنل فارانی اور انسپکٹر کاشان کی میٹنگ ہوئی ۔۔ اس میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا کہ ان کی گمشدگی کی اطلاع انسپکٹر جمشید کو دی جائے ۔۔ چنانچہ انھیں فون کیا گیا ۔۔

شام کے وقت وہ شوکی کے گھر پہنچ گئے ۔۔ انسپکٹر کاشان اور دوسرے وہیں موجود تھے ۔۔ انھوں نے تمام حالات تفصیل سے سنے، اور پھر سوچ میں گم ہو گئے ۔۔ آخر انسپکٹر جمشید اٹھتے ہوئے بولے:

"واقعات کا جو آخری سرا ہے ۔۔ ہم اس سرے سے اپنا کام شروع کریں گے۔"

"جی ۔ کیا مطلب؟"

"آخری اطلاع ہمارے پاس یہ ہے کہ انسپکٹر جلالی نور کو لاش کے پاس سے ایک عجیب قسم کی گھڑی ملی ہے ۔ سب سے پہلے ہم اس گھڑی کا معائنہ کریں گے۔"

"اور اس کے بعد ہم ہوٹل گلنار جائیں گے ۔ کیوں ابا جان؟" محمود نے فوراً کہا۔

"بلکہ بہتر یہ ہے کہ میں انسپکٹر جلالی نور کی طرف جاتا ہوں، تم ہوٹل گلنار کے لیے روانہ ہو جاؤ ۔۔ ہمارا مرکز شوکی کا گھر ہو گا ۔۔ جو بھی اطلاع ہو گی، ہم اسی جگہ دیں گے۔"

"بہت بہتر!" تینوں ایک ساتھ بولے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ لوگ آرام کریں ۔۔ اب ہم خود ہی اس معاملے کو دیکھ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر جمشید سیدھے جلالی نور کے پولیس اسٹیشن پہنچے ۔۔ انسپکٹر جلالی نور نے جونہی انھیں دیکھا، چونک گیا اور جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آ ۔ آپ ۔۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں جناب میں ۔۔ اجمل گڈو قتل کیس کی فائل کا مطالعہ کروں گا، ذرا"

"لیکن سر — آپ کا اس معاملے سے کیا تعلق۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"ہم لوگوں کا کسی معاملے سے تعلق ہونا ضروری نہیں — اس کے بغیر بھی ہم دخل اندازی کر سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے — میں فائل پیش کیے دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

جلد ہی وہ فائل کا مطالعہ کر رہے تھے — انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس فائل میں کسی گھڑی کا ذکر نہیں تھا — چنانچہ بولے:

"حیرت ہے۔"

"حیرت — لیکن کس بات پر جناب۔"

"کمرۂ واردات سے آپ کو کوئی عجیب چیز ملی تھی؟"

"عجیب چیز — جی نہیں —" اس نے کہا اور وہ حیران رہ گئے — انھیں امید نہیں تھی کہ جلالی نور صاف جھوٹ بول دے گا — اب انھوں نے سرد آواز میں کہا:

"لیکن میری اطلاع کے مطابق آپ کو وہاں سے ایک عجیب و غریب گھڑی ملی ہے۔"

"کیا!!!" وہ بری طرح اچھلا — آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"اور آپ کا یہ بھی فرض تھا کہ فائل میں اس گھڑی کا اندراج کرتے — لیکن نہیں کیا گیا — گویا گھڑی آپ نے اپنے پاس رکھ لی ہے — جب کہ کمرۂ واردات سے ملنے والی معمولی سے معمولی چیز کا ذکر بھی فائل میں کرنا بہت ضروری ہوتا ہے اور کوئی چیز بھی اپنے پاس نہیں رکھی جا سکتی — میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں — جلالی نور صاحب۔"

"نہیں جناب — آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے مردہ آواز میں کہا۔

"تب پھر — گھڑی کہاں ہے — اور آپ نے اندراج کیوں نہیں کیا؟"

"پہلے میں گھڑی حاضر کرتا ہوں۔" اس نے کہا اور اٹھ کر اندرونی کمرے میں چلا گیا — واپس لوٹا تو گھڑی اس کے ہاتھ میں تھی — کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے کہا:

"سچ تو یہ ہے کہ یہ چیز میری سمجھ میں نہیں آئی تھی — میں نے سوچا تھا کہ پہلے اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لوں، پھر درج کر دوں گا۔"

"جب کہ پہلے درج کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔" وہ بولے۔

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں — ویسے آپ کو گھڑی کے

بارے میں معلوم کس طرح ہوا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔
"آپ اس بات کو چھوڑیں — اور گھڑی مجھے دیں۔"
اس نے گھڑی والا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا — انسپکٹر جمشید نے گھڑی ہاتھ میں لے لی اور بغور اس کا جائزہ لینے لگے — اس میں چند بٹن بھی تھے۔
اور پھر ان کے چہرے پر الجھن دوڑ گئی — آنکھوں میں حیرت بھی نظر آئی —

دھواں اٹھتا ہے

گلنار ہوٹل کا ہال لوگوں سے بھرا پڑا تھا، اور ایک بھی کرسی خالی نہیں تھی۔
"اب کیا کریں — یہاں تو ایک بھی کرسی خالی نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"ہم ہوٹل کے ہال میں بیٹھنے کے لیے نہیں آئے — آؤ۔"
محمود نے مسکرا کر کہا اور سیدھا کاؤنٹر پر جا رکا۔
"ہمیں مسٹر اجمل گوڈ سے ملنا ہے۔"
"جی — کیا کہا — اجمل گوڈ سے۔"
"ہاں جناب — ہم دارالحکومت سے آئے ہیں — ہماری اطلاع کے مطابق وہ یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں — بس آپ ان کے کمرے کا نمبر بتا دیں۔"
"یہ ٹھیک ہے کہ وہ یہیں ٹھہرے ہوئے تھے — لیکن افسوس

آپ ان سے نہیں مل سکیں گے۔"

"وہ کیوں جناب — کیا وہ ہوٹل چھوڑ کر چلے گئے۔"

"نہیں — انھیں کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"ارے باپ رے — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں اور کہہ بھی کیا سکتا ہوں جب کہ بات یہی ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"خیر — کیا ہم ان کا کمرہ دیکھ سکتے ہیں۔"

"پولیس نے اسے سیل کر رکھا ہے۔"

"کیا ہم اس ہوٹل کے ہال میں بیٹھ سکتے ہیں؟"

"آپ دیکھ رہے ہیں — کوئی میز خالی نہیں ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جناب — ہم اتنی دور سے آئے ہیں اور آپ اس قدر روکھا سلوک کر رہے ہیں۔"

"آپ کمرہ کرائے پر لے لیں — میں روکھا سلوک نہیں کروں گا۔"

"اوہ — تو یوں کہیے نا — جلدی سے دیں کمرہ کرائے پر۔"

"ایک ہفتے کے ۱۴۰۰ روپے جمع کرا دیں۔"

"ضرور — کیوں نہیں — یہ لیں۔" محمود نے فوراً کہا — اور ۱۴۰۰ روپے گن دیے۔

"آپ کا کمرہ نمبر ۱۹ ہے۔"

"اور اجمل گٹو کا۔" فاروق نے یک دم کہا۔

"نمبر ۱۳ — بہتر ہو گا کہ آپ اس کمرے کے چکر میں نہ پڑیں۔"

"اچھی بات ہے، آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر۔" محمود بولا۔

"آپ پہلے اپنے کمرے کا جائزہ لے لیں — اس وقت تک ہال میں کوئی میز بھی خالی ہو جائے گی۔" کلرک بولا۔

"اچھی بات ہے — یونہی سہی۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

کمرے کی چابی لے کر وہ ایک بیرے کے ساتھ اوپر آئے — کمرہ انھیں دکھا کر بیرا تو چلا گیا — وہ اندر آ بیٹھے۔

"تم نے بلا وجہ ۱۴۰۰ روپے خرچ کر دیے — اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔" فرزانہ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جب کہ میں سمجھتا ہوں — اس کی ضرورت ہے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"آخر کیسے؟"

"تمام واقعات تفصیل سے سننے اور ان پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اجمل گٹو کا کوئی نہ کوئی تعلق یا اس کے قتل کا تعلق اس ہوٹل سے بھی ہے — وہ پہلے ایک سرائے میں جا کر چھپ گیا تھا — پھر اس ہوٹل میں چلا آیا — آخر اس کا سراغ کس طرح لگا لیا گیا؟"

"اس کا جواب تو بالکل سامنے کی بات ہے ۔ شوکی کے دفتر کی مجرم نگرانی کر رہے تھے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں: ٹھیک ہے ۔ میں مانتی ہوں ۔ مجرم تعاقب کرتے ہوئے ہوٹل چلے گئے ۔ لیکن ہوٹل میں کسی نے بھی اجمل گنگو کی کوئی چیخ نہیں سنی ۔ دائیں بائیں اور سامنے والے کمرے کے بھی کسی آدمی نے چیخ کی آواز نہیں سنی ۔ آخر کیوں ۔" محمود نے پُر زور لہجے میں کہا۔

"یہ بھی کوئی سوال ہے ۔ بھئی اس کے منہ سے چیخ نکل ہی نہیں سکی ہو گی ۔ یا پھر ۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا گیا ہو گا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ۔ میں بھی تمھارے منہ سے یہی سننا چاہتا تھا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پہلے ہی بتا دیتے ۔ میں یہ جملہ سنا دیتا۔" فاروق بولا۔

"سنو ۔ منہ پر ہاتھ رکھنے کے لیے قاتل کو اجمل گنگو کے ساتھ لپٹنا پڑا ہو گا ۔ اس صورت میں اس کے اپنے کپڑے آستین وغیرہ خون آلود ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔"

"ہو سکتا ہے ۔ قاتل دو آدمی رہے ہوں۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"اگر وہ دو آدمی تھے تو ترتیب یوں بنے گی ۔ ایک نے

اسے پیچھے سے پکڑا ۔ دوسرے نے سینے میں خنجر اتار دیا ۔ اس طرح بھی سامنے والے کے کپڑوں کا خون آلود ہونا ضروری تھا ۔"

"چلو ہم فرض کر لیتے ہیں ۔ کہ اس کے کپڑے خون آلود ہو گئے تھے ۔ تو پھر ۔" فرزانہ نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"پھر یہ کہ آخر وہ لوگوں کی نظروں سے بچ کر کہیں چلا گیا ۔ جب کہ تھوڑی ہی دیر بعد شوکی برادرز یہاں پہنچ گئے تھے۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ قاتل کا تعلق ہوٹل سے ہے، اور وہ قتل کے بعد یہیں کہیں کسی کمرے میں چلا گیا ۔ اس نے ہوٹل سے باہر جانے کی کوشش بھی نہیں کی ہو گی۔"

"ابھی یہ صرف فرضی باتیں ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"تو میں نے کب یہ کہا کہ واقعی ایسا ہوا ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"کہا نہیں ۔ لیکن تمھارے ذہن میں یہی بات ہے۔"

"اچھا اچھا ہو گی ۔ پہلے بات پوری ہونے دو۔" محمود نے جل کر کہا، پھر لہجے کو معمول پر لاتے ہوئے بولا۔

"دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قاتل اس ہوٹل میں پہلے سے ٹھہرا ہوا ہو ۔ یا جونہی اجمل گنگو نے یہاں آ کر کمرہ لیا ۔ اس نے بھی ایک کمرہ لے لیا ۔ اور قتل کے بعد وہ اس کمرے میں

چلا گیا۔"

"یہ بات زیادہ دل کو لگتی ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر ہمارا یہ کمرہ کرائے پر لینا فضول کس طرح ہو گیا؟" محمود نے کامیاب انداز میں کہا۔

"اوہ — تو اتنی دیر سے تو یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"بات شروع بھی تو یہیں سے ہوئی تھی۔" وہ بولا۔

"ہوں — مان لیا بھئی — سوال یہ ہے کہ اب کیا کریں — اس شخص کو کس طرح تلاش کریں۔"

"ہمیں معلوم کرنا ہے کہ اجمل گوٹھ کے فوراً بعد کس شخص نے کمرہ کرائے پر لیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے، اس شخص کا قتل سے بالکل ہی تعلق نہ ہو اور ہم بلاوجہ اس کے پیچھے پڑ جائیں۔"

"اب کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا — اور ایک کام ہمیں یہ بھی کرنا ہے کہ مقتول کے کمرے کو اندر سے دیکھنا ہے۔" محمود بولا۔

"تم بھول رہے ہو — کمرہ سیل کر دیا گیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں — ہم کسی نہ کسی طرح اندر سے ضرور دیکھ لیں گے — بس تم دیکھتے جاؤ۔"

"تب پھر پہلے یہ کام کر لیتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے — آؤ۔"

وہ کمرہ نمبر ۱۳ کے سامنے آ گئے — دروازہ واقعی سیل کیا گیا تھا — انھوں نے اس کی کھڑکی وغیرہ کا معائنہ کیا — لیکن وہ بھی بند تھی — آخر محمود نے نفی میں سر ہلا کر کہا:

"ہاتھ کی صفائی دکھانا ہو گی۔"

"تمھارے ذہن میں کیا ہے۔"

"پچھلی طرف کمرے کا روشن دان ہے — آؤ — اس کے ذریعے کام لیتے ہیں اور اس کام کے لیے ہمیں ہوٹل کی چھت پر جانا پڑے گا — منڈیر پر لیٹ کر میں اپنا ہاتھ روشن دان تک لا سکتا ہوں۔"

"بہت خوب —" دونوں ایک ساتھ بولے۔

اب تینوں پہلے اپنے کمرے میں آئے — کچھ چیزیں ساتھ لیں اور چھت پر چڑھ گئے — اس کے ایک منٹ پر وہ بدحواسی کے عالم میں نیچے کا رخ کر رہے تھے — وہ سیدھے کاؤنٹر پر جا رکے —

"وہ — وہ جناب — اوپر ایک کمرے سے دھواں نکل رہا ہے۔"

"کیا کہا — دھواں —" کاؤنٹر پر موجود سب لوگ چونک اٹھے۔

"ج — جی ہاں — دھواں ہی کہا ہے میں نے۔" فاروق نے

کہا۔

اور پھر چار آدمی اوپر کی طرف دوڑ پڑے — تینوں نے ان کا ساتھ دیا — یہاں تک کہ وہ چاروں کمرہ نمبر ۱۳ کے سامنے رک گئے — اس کی درزوں سے واقعی دھواں نکل رہا تھا — وہ دوڑ کر اس کے پچھلی طرف آئے — روشن دان سے بھی دھواں نکل رہا تھا۔

"یہ کمرہ تو ہے بھی سیل — فوراً انسپکٹر جلالی نور کو فون کر کے اجازت لو۔" ان میں سے ایک نے کہا اور نیچے کی طرف دوڑے۔

وہ تینوں پھر اپنے کمرے میں آ بیٹھے۔

"اب کمرے کا دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگے گی۔" محمود مسکرایا۔

"ترکیب اچھی رہی۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن اگر —" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"خبردار — اگر تم نے کسی اگر مگر کی ٹانگ اڑائی۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"اوہو — بات تو کرنے دیا کرو — اگر جلالی نور صاحب تشریف لے آئے۔"

"اس صورت میں ہم ریڈی میڈ میک اپ کر لیں گے۔"

"تو پہلے ہی کیوں نہ کر لیے جائیں۔"

"یہ بھی ٹھیک رہے گا۔"

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی — اور ہوٹل کے

عملے کے لوگ اوپر آ گئے — انھوں نے دروازے کی درز میں سے دیکھا — وہ لوگ بے بسی کے عالم میں ہاتھ مل رہے تھے۔

"جب تک انسپکٹر جلالی آئیں گے — اس وقت تک تو ہو سکتا ہے — کمرہ، آگ پکڑ لے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اوہ — تو وہ حضرت آ رہے ہیں — خیر کوئی بات نہیں — دیکھا جائے گا۔"

دس منٹ بعد بھاری قدموں کی آوازیں گونج اٹھیں — وہ بھی کمرے سے نکل آئے — انھوں نے دیکھا — جلالی نور اپنے ماتحتوں کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا آ رہا تھا — نزدیک آ کر اس نے کہا:

"سیل توڑ کر تالا کھول ڈالو۔"

اس کے ایک ماتحت نے تالا کھول دیا — جونہی کمرے کا دروازہ کھلا — بہت سا دھواں باہر کی طرف دوڑ آیا — جلالی نور اور اس کے ساتھی دھواں نکلنے کا انتظار کرتے رہے — ان کا جی چاہ رہا تھا کہ ان سے پہلے ہی اندر داخل ہو جائیں — لیکن یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا — اس طرح تو وہ ان کی نظروں میں فوراً آ جاتے — آخر دھواں صاف ہو گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے — اور وہ تینوں دروازے سے جا لگے۔

"اوہو — یہ تو کپڑوں کا ڈھیر سا پڑا ہے — آگ اس میں لگی

ہے۔ لیکن یہاں تو کوئی کپڑوں کا ڈھیر نہیں تھا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں جناب۔" کلرک نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"شاید کوئی شخص اس کمرے کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتا ہے اور وہ ضرور اجمل گگو کا قاتل ہو گا — اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کمرے میں ضرور کوئی ایسی چیز موجود ہے — جو قاتل کی گرفتاری میں مدد دے سکتی ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

تینوں اس کا خیال سن کر دل ہی دل میں مسکرا دیے۔

"تب تو اچھی بات ہے سر — ہم وقت پر آ گئے — ابھی کمرہ جلنے نہیں پایا — ہم وہ چیز تلاش کر سکتے ہیں۔"

"ہاں! بالکل ٹھیک۔"

کپڑوں پر پانی ڈال کر آگ بجھائی گئی — اور پھر کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیا جانے لگا — جلالی نور اور اس کے ساتھیوں کو کوئی بھی خاص چیز نظر نہ آ سکی — یہاں تک کہ جلالی نور نے تنگ آ کر کہا،

"نہیں — یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔"

"تب پھر — کسی کو کیا ضرورت تھی آگ لگانے کی — ارے — مگر — اس نے آگ لگائی کس طرح — پہلے دروازہ اور کھڑکی تو

بند تھے۔"

"اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس روشن دان کے ذریعے اس نے یہ کام کیا ہے — اور اس کے لیے اسے چھت پر جانا پڑا ہو گا — آؤ ذرا چھت بھی دیکھ لیں۔"

پھر جونہی جلالی نور اور اس کے ساتھی چھت کی طرف گئے، تینوں کمرے میں داخل ہو گئے —

ڈبرنگ

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ صرف ایک گھڑی نہیں ہے۔" آخر انھوں نے کہا۔

"جی — کیا مطلب؟" جلالی نور چونکا۔

"ہاں! لیکن گھڑی کے علاوہ یہ کیا ہے — میں ابھی نہیں بتا سکتا — خیر فی الحال اس گھڑی کو میں اپنے پاس رکھوں گا — آپ اس کی رسید مجھ سے لکھوا لیں۔"

"اچھا۔" اس نے پریشان آواز میں کہا اور رسید پر ان کے دستخط لے لیے — اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی — جلالی نور نے جلدی سے ریسیور اٹھایا —

"ہیلو — جلالی نور بول رہا ہوں — کیا کہا — ہوٹل گلنار کے اس کمرے سے دھواں نکل رہا ہے — اچھا میں آ رہا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ریسیور پٹخا اور اچھل کر کھڑا ہوگیا:

"مجھے افسوس ہے جناب — مجھے جانا پڑ گیا ہے۔"

"شکریہ! میں بھی جا رہا ہوں۔" انھوں نے کہا — ہوٹل گلنار کا نام سن کر وہ بھی چونکے تھے، لیکن پھر کچھ خیال آنے پر مطمئن ہو گئے۔

انسپکٹر جمشید اپنی کار میں بیٹھ کر سیدھے پروفیسر عقلان کی تجربہ گاہ پہنچے — وہ کسی آلے پر جھکے ہوئے تھے اور اس قدر محو تھے کہ ان کے اندر چلے آنے کا انھیں پتا تک نہ چلا — یہاں تک کہ انھیں کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلانا پڑا —

"کک — کون — ہائیں — یہ کیا — انسپکٹر جمشید کا بھوت اور میری تجربہ گاہ میں۔"

"جی نہیں — یہ میں خود ہوں — بھوت کو تو میں وہیں چھوڑ آیا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"اوہو — انسپکٹر جمشید — بھئی کمال ہے — کیسے بھول پڑے۔"

"جی بھول نہیں پڑا — جان بوجھ کر آیا ہوں — ذرا اس گھڑی کو دیکھیے۔"

"گگ گھڑی —" ان کے منہ سے نکلا اور پھر وہ گھڑی میں گم ہو گئے — انسپکٹر جمشید کو انھوں نے کرسی پر بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہا تھا — تاہم وہ بیٹھ گئے تھے — پندرہ منٹ

کے بعد انھوں نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں حد درجے سنجیدگی تھی۔

"پہلے میرے سوال کا جواب دو جمشید — یہ گھڑی ملی کہاں سے۔"

"ایک مقتول کے کمرے سے — خیال ہے کہ یہ قاتل کی گھڑی ہے — مقتول تو بہت ہی غریب آدمی تھا۔"

"تب — وہ قاتل — بہت اہم ہے جمشید — کیوں کہ یہ گھڑی، عام چیز نہیں ہے اور اس وقت تک ہم نے جتنی باتیں کی ہیں — وہ بھی گھڑی کے اصل مالک نے سن لی ہیں اور اس سے پہلے یہ گھڑی جہاں بھی رہی ہے — وہاں ہونے والی تمام باتیں بھی اس گھڑی کا مالک سن چکا ہے، اور اگر تم یہ میرے پاس نہ لے آتے تو اصل مالک اس گھڑی کے ذریعے اپنے خلاف اٹھائے جانے والے ہر قدم کے بارے میں پہلے سے جان چکا ہوتا۔"

"اوہ — اوہ —" وہ حیران رہ گئے۔

"اس قدر طاقت والا آلہ میں نے شاید پہلی مرتبہ دیکھا ہے، جمشید اگر اس آلے کو سات چھوٹے بڑے انچی کیسوں میں بند کر دو، تب بھی یہ آوازیں کھینچ کر لے گا اور اس جگہ پہنچائے گا، جہاں اس کا اصل مالک بیٹھا ہے — اس کے پاس ایک دوسرا ننھا سا آلہ ہو گا — اس آلے میں یہاں ہونے والی

تمام گفتگو ابھر رہی ہو گی۔"

"لیکن — اب تو آپ اس کو بند کر دیں۔" وہ گھبرا کر بولے۔

"میں بند کر چکا ہوں — اب ایک دوسری خوف ناک بات — یہ ایک ننھا سا لیکن انتہائی خطرناک بم بھی ہے — اور اس کا اصل مالک جب چاہے — اس بم کو پھٹنے پر مجبور کر سکتا ہے۔"

"کک — کیا مطلب —" ان کا رنگ اڑ گیا۔

"ہاں، تم ٹھیک سمجھے — اگر وہ چاہے — تو اس وقت بھی ہم دونوں کو ننھے ننھے ٹکڑوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔" وہ خوف زدہ انداز میں مسکرائے۔

"اُف مالک — آپ کا مطلب ہے — اسے بند کر دینے کے باوجود بھی۔"

"بند تو میں نے صرف باتوں کا سلسلہ کیا ہے — اس کے پھٹنے کی صلاحیت کو ابھی میں زائل نہیں کر سکا — اس دوسرے آلے میں لگا ہوا ایک بٹن — اگر دبا دیا جائے تو اس وقت میری تجربہ گاہ بھی بھک سے اڑ سکتی ہے۔"

"ارے باپ رے —" وہ لرز کر رہ گئے۔

"تاہم — اس نے ہماری یہ بم والی باتیں نہیں سنیں — اور شاید وہ خیال کر رہا ہے کہ ابھی ہمیں اس کی یہ کارکردگی معلوم نہیں ہو سکی — اگر کہیں وہ یہ جملے بھی سن لیتا

تو — جمشید — ہم رخصت ہو چکے تھے۔

"زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے — آپ فوری طور پر اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

انھوں نے سر ہلایا اور اٹھ کر ایک اندرونی کمرے میں چلے گئے — واپس آئے تو گھڑی ان کے ہاتھ میں نہیں تھی۔

"اب ہمیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں — لیکن —" پروفیسر عقلان کہتے کہتے رُک گئے — اسی وقت ایک بلب جلنے اور بجھنے لگا تھا۔

"کوئی آیا ہے، اور میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں — ایک منٹ۔" یہ کہہ کر انھوں نے ایک بٹن دبایا اور بولے:

"وہ جو کوئی بھی ہے — اوپر نہ آنے پائے۔"

"او کے سر — ارے۔"

اس ارے کے فوراً بعد ایک بھیانک چیخ گونج اٹھی:

"جمشید — ہوشیار — اس نے میرے چوکیدار کو مار ڈالا ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے اس لمحے اپنے جسم میں سنسنی کی لہر محسوس کی — وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے — اور کمرے سے نکل کر برامدے میں آ گئے —

عین اسی لمحے برامدے کے دوسرے سرے پر ایک لمبے قد کا نقاب پوش نظر آیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو انسپکٹر — میں صرف وہ گھڑی لینے آیا ہوں، اگر تم لوگ اس کا راز نہ جان لیتے، تو اس کی ضرورت نہ پیش آتی —" اس کی آواز سرد تھی۔

"تشریف لائیے —" انسپکٹر جمشید نے استقبال کرنے کے انداز میں کہا۔

"میں چاہتا تو یہ پوری تجربہ گاہ ایک دھماکے سے اڑ سکتی تھی — لیکن اس کے بجائے میں نے اس گھڑی کو بچانا بہتر خیال کیا، اس لیے یہاں آنا پڑا۔"

"آپ تشریف تو لائیے۔"

"نہیں، میں نزدیک نہیں آؤں گا — بس تم وہ گھڑی میری طرف سرکا دو — اگر تم ایسا نہیں کرو گے انسپکٹر جمشید تو میں اس پستول کا ٹریگر دبا دوں گا — اور اس عمارت کا وہ حصہ جس پر اس وقت تم اور پروفیسر ہو — آن کی آن میں ڈھیر ہو جائے گا — کیوں کہ میرے ہاتھ میں بھی اس وقت عام پستول نہیں — یوں سمجھ لو — ننھے منے بم فائر کرنے والا پستول ہے —" یہ کہتے ہوئے وہ ہنسا — ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کو اپنے پیچھے پروفیسر عقلان کی موجودگی کا احساس ہوا —

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے جمشید — وہ گھڑی ہی کم حیرت انگیز نہیں ہے — تو پستول بھی ضرور ایسا ہی ہو گا — یوں لگتا ہے

جیسے ۔۔ ہمارا مقابلہ ۔ کسی بہت ترقی یافتہ ملک کے ایجنٹوں سے ہے ۔" پروفیسر عقلان نے سرگوشی کی۔

"پھر کیا خیال ہے ۔۔ اس کی گھڑی واپس کر دیں ۔"

"ہاں! میں لا رہا ہوں ۔"

"گھڑی لا کر مجھے دیں ۔۔ میں اسے اس کی طرف لڑھاؤں گا ۔"

"اچھی بات ہے ۔" انھوں نے کہا اور وہ اندر چلے گئے۔

"یہ تم نے کیا کھسر پھسر شروع کر دی ۔۔ کوئی چال کارگر نہیں ہو گی ۔۔ میں نے اسی لیے تو درمیانی فاصلہ بہت رکھا ہے ۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"پروفیسر گھڑی لینے گئے ہیں ۔۔ آپ کا نام کیا ہے ؟"

"شاید تم لوگ سوچ رہے ہو کہ میں کوئی غیر ملکی آدمی ہوں ۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ۔۔ میں اسی ملک کا ہوں ۔۔ ہاں میرے پاس آلات ضرور غیر ملکی ہیں ۔۔ اور یہ میں نے بہت دولت خرچ کر کے حاصل کیے ہیں ۔"

"شاید یہ بات نہ ہو ۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ؟" وہ چونکا۔

"میرا مطلب ہے ۔۔ شاید خریدنے والی بات غلط ہے ۔۔ اس

غیر ملکی طاقت نے یہ آلات تمھیں اس لیے دیے ہیں کہ تم اس کے ایجنٹ ہو ۔"

"ارے نہیں ۔۔ میں کسی کا ایجنٹ نہیں ۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تم نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا ؟"

"ڈر جاؤ گے انسپکٹر سن کر ۔"

"تم مجھے ڈرانے سے نہ ڈرو ۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"تو پھر سن لو ۔۔ میں ڈبرنگ ہوں ۔"

"کیا کہا ۔۔ ڈبرنگ ۔۔ ڈبرنگ یہاں کہاں ۔۔ وہ تو دارالحکومت میں رہتا ہے ۔"

"ڈبرنگ کے لیے وہاں سے یہاں آنا کیا مشکل ہے ۔" اس نے کہا۔

"حیرت ہے ۔۔ تم تو سات پردوں میں رہنے کے عادی ہو، آج تک کوئی تم تک نہیں پہنچ سکا اور نہ تم کسی کے سامنے آئے ہو ۔۔ پھر یہاں کیوں سامنے آ گئے ۔" وہ بولے۔

"بس ۔۔ اس گھڑی کو واپس حاصل کرنے کی وجہ سے آنا پڑا ۔۔ ورنہ تمھارے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہو پاتا کہ ان معاملات کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے ۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔

"پروفیسر صاحب گھڑی لے آئے ۔۔ اب یہ میری طرف سرکا

دی جائے۔"

"ضرور—کیوں نہیں—" انھوں نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا اور پیچھے کی طرف ہاتھ کر کے پروفیسر سے گھڑی لے لی— پھر وہ جھکے—تاکہ گھڑی کو فرش پر لڑھکا دیں—

"فرش پر ٹکرانے سے یہ پھٹ تو نہیں جائے گی؟"

"نہیں—بالکل نہیں۔" اس نے کہا۔

اور پھر انھوں نے گھڑی ہاتھ سے چھوڑ دی— وہ تیزی سے ڈبرنگ کی طرف گئی— ڈبرنگ اس کو پکڑنے کے لیے جھکا— اور یہی وہ لمحہ تھا، جب انسپکٹر جمشید نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور ڈبرنگ پر جا پڑے— اسے دبوچتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے—

"تم یہ اندازہ نہیں لگا سکے ڈبرنگ کہ میں اتنی لمبی چھلانگ بھی لگا سکتا ہوں۔"

گھڑی لڑھک کر ان کے قریب آ چکی تھی۔

"پروفیسر صاحب—آگے بڑھ کر گھڑی اٹھا لیں، اور وہیں پہنچا دیں— جہاں یہ تھی۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے پستول بھی ڈبرنگ کے ہاتھ میں سے نکال لیا— یہ واقعی ایک عجیب قسم کا پستول تھا—

لیکن اس کا جائزہ لینے کا یہ کون سا وقت تھا— انھیں حیرت اس پر ہوئی تھی کہ ڈبرنگ نے خود کو چھڑانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔

"ابھی تو تم ڈینگیں مار رہے تھے اور اب بھیگی بلی بن گئے ہو۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا کیا جائے— جس چیز کے بل پر ڈینگیں مار رہا تھا— وہی اب تمھارے ہاتھ میں ہے— لیکن جب تک میں تم سے نزدیک ہوں— تم اسے کام میں نہیں لا سکتے— کیوں کہ اس طرح خود تم بھی پھٹ جاؤ گے۔"

"مجھے دبانے کی ضرورت بھی نہیں۔"

اسی وقت پروفیسر صاحب آتے دکھائی دیے—

"پروفیسر صاحب— اس پستول کو بھی سنبھالیے— لیکن اس کا ٹریگر نہ دبا دیجیے گا۔"

"اچھا— تم فکر نہ کرو۔" انھوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

انھوں نے ڈبرنگ کو کلائی سے پکڑ لیا اور اندر کی طرف لے چلے— ڈبرنگ کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا— وہ ذرا بھی خوف زدہ یا پریشان نظر نہیں آ رہا تھا۔

کمرے میں ایک کرسی پر اسے بٹھاتے ہوئے انسپکٹر جمشید بولے:

"ہاں مسٹر ڈیرنگ — کیا کہتے ہو؟"

"بھلا مجھے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم پر ان گنت الزامات ہیں — کیا تم ان سب الزامات کو تسلیم کرتے ہو؟"

"ہاں کرتا ہوں — اس لیے کہ اس ملک کی حکومت مجھے سزا نہیں دے سکے گی — نہ جیل میں رکھ سکے گی — ادھر تم مجھے پولیس کے حوالے کرو گے — ادھر میں باہر نکل آؤں گا، اسی لیے تو میں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی — اور نہ کوئی وار کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے، تم وار کر کے بھی دیکھ لو اور اگر بھاگ سکتے ہو تو ضرور بھاگ جاؤ۔"

"فی الحال مجھے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرایا۔

انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے — وہ الجھن سی محسوس کر رہے تھے — پھر اچانک ان کے ذہن میں کوئی بات آئی — وہ بولے:

"پروفیسر صاحب — ضرور کوئی چکر ہے — اور ہم اس کے چکر میں آنے ہی والے ہیں — لہذا —"

"اب بہت دیر ہو چکی ہے — جمشید صاحب — یہ پوری عمارت اس وقت ہمارے قبضے میں ہے — اس جیسی گھڑی میرے

پاس اور بھی تو ہو سکتی تھی — اور اس کے ذریعے میرے آدمی بھلا تجربہ گاہ تک کیوں نہیں پہنچ سکتے تھے — باقی رہا تجربہ گاہ کے نگرانوں کا مسئلہ — جدید آلات کے ذریعے انھیں پانی بنا دینا ہمارے لیے بھلا کیا مشکل کام ہے — گویا تجربہ گاہ کے تمام نگران اس وقت تک پانی بن چکے ہیں — ہاں ان کے کپڑوں سے دلچسپی ہو تو وہ ضرور باہر مل جائیں گے — لیکن تم لوگ ان کپڑوں کو دھو نہیں سکو گے — انسانی پانی ان پر لگ چکا ہے — وہ کسی صاحب سے نہیں اترے گا۔"

"نہیں نہیں — یہ جھوٹ ہے — غلط ہے —" پروفیسر عقلان چلائے۔

"انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں جو پستول ہے — وہ بھی ان کے لیے بالکل بے کار ہے — یہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔"

"کیوں فائدہ نہیں اٹھا سکتا —" یہ کہہ کر انھوں نے اس کا ٹریگر دبا دیا — لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔

"میں نے کہا تھا نا — اور اب میرا کام شروع ہوتا ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک اور پستول نظر آیا — اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا

سکتے — اس نے ٹریگر دبا دیا — وہ فوراً دائیں طرف لڑھک گئے — ساتھ ہی پروفیسر صاحب کو بھی لے کر گرے — لیکن یہ کیا — پستول میں سے تو کوئی گولی نہیں نکلی تھی — اس میں سے تو بس دھوئیں کی ایک لکیر نکل کر کمرے میں پھیل گئی تھی — انھیں ایک زور دار چکر آیا —

"انھیں بھی وہیں پہنچا دو۔" ڈبرنگ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

اُلّو کی دُم

کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ تیر کی طرح الماری کی طرف لگے — لکڑی کی الماری دیوار میں نصب تھی اور فرش سے نصف انچ کے قریب اوپر تھی — محمود فوراً نیچے جھکا اور اس جگہ میں ہاتھ ڈال دیا — دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں کوئی چیز آ گئی — اس چیز کی ایک جھلک وہ کمرے کے باہر پہلے ہی دیکھ چکے تھے — محمود نے یہ دیکھے بغیر کہ وہ کیا ہے، اس کو جیب میں ڈال لیا —

"آؤ جلدی کرو — کہیں وہ لوگ واپس نہ آ جائیں۔"

تینوں دروازہ کی طرف لپکے — ایسے میں فرزانہ زور سے چونکی :

"اوہو ! یہ راکھ میں کیا چیز ہے —" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ راکھ کی طرف لپکی — اس میں کوئی سنہری سی چیز چمک رہی تھی — فرزانہ نے اسے اٹھانا چاہا — لیکن وہ گرم تھی — ہاتھ

سے نکل گئی — یہ دیکھ کر فاروق نے اس کو فوراً اپنے رومال میں اٹھا لیا — اب وہ پھر دروازہ کی طرف بڑھے — جونہی باہر نکلے اپنے سامنے جلالی نور کو کھڑے پایا۔ وہ انھیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا:

"کون ہو مسٹر تم۔"

"پہلے اپنے پیچھے دیکھ لیجیے — جواب مل جائے گا۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

جلالی نور نے چونک کر پیچھے دیکھا اور انھوں نے زینے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے — اے — خبردار — رکو — ورنہ گولی مار دوں گا۔" جلالی نور نے چیخ کر کہا۔

لیکن بھلا وہ کب رکنے والے تھے — نیچے اترتے چلے گئے — جلالی نور نے بھی ان کے پیچھے دوڑ لگا دی — لیکن اتنی دیر میں وہ آخری سیڑھی اتر کر ہال کا رخ کر چکے تھے اور ساتھ ہی اپنے ریڈی میڈ میک اپ سے نجات حاصل کر چکے تھے — تینوں نے ایک میز سنبھال لی — اور بیرے کو اشارہ کیا — جونہی بیرا نزدیک آیا — محمود نے کہا۔

"بھئی پہلے پینے کو کچھ لے آؤ — بہت پیاس لگی ہے۔"

"او کے سر —" اس نے کہا اور چلا گیا۔

انھوں نے جلالی نور کو دوڑ کر ہال میں آتے دیکھا — وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا — پھر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا —

"یہ بھائی صاحب تو گئے کام سے — ہم تینوں اب اسے ملیں گے نہیں۔" فاروق بولا۔

"لیکن ہمارے کپڑے دیکھ کر یہ الجھن میں ضرور مبتلا ہو گا۔"

"اس جیسے کپڑے اور لوگوں کے بھی ہو سکتے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ہاں! لیکن دو لڑکے اور ایک لڑکی کا بھی معاملہ ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

اسی وقت انھوں نے جلالی نور کو مایوسانہ انداز میں واپس لوٹتے دیکھا — اور پھر اچانک اس نے انھیں دیکھ لیا — اس کا منہ مارے حیرت کے لٹک گیا — پھر اس کے قدم ان کی طرف اٹھنے لگے:

"آپ لوگ اور یہاں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں انکل — کیا ہمارے یہاں آنے پر پابندی ہے۔" فاروق نے شوخ آواز میں پوچھا۔

"نہیں نہیں — یہ بات نہیں — انسپکٹر صاحب نظر نہیں آ رہے۔"

"وہ دوسری طرف مصروف ہیں۔"

"آپ نے ابھی چند لمحے پہلے دو لڑکوں اور ایک لڑکی کو دوڑ کر باہر جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟"

"جی — دوڑ کر باہر جاتے ہوئے —" فاروق جلدی سے بولا۔

"ہاں ہاں —" جلالی نور نے اس سے بھی زیادہ جلدی سے کہا۔

"نہیں — باہر جاتے نہیں دیکھا۔" فاروق نے ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہا۔

"مجھے حیرت ہے — ان کے کپڑے — بالکل آپ تینوں جیسے تھے —" یہ کہہ کر وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"اچھا — کمال ہے — لیکن نہیں — بھلا اس میں کمال کی کیا بات — یہ کپڑے تو عام کپڑے ہیں — آپ تو جانتے ہی ہوں گے انکل کہ ہم سادہ لوگ ہیں — فیشن میں نہیں گھستے — سیدھے سادے کپڑے پہنتے ہیں — سادہ کھاتے ہیں — دوسری ضروریات میں بھی سادگی ہی آپ کو ملے گی۔"

"سچ بتائیں — کہیں وہ آپ تینوں ہی تو نہیں تھے؟"

"کک — کون تینوں — ہم سمجھے نہیں۔" محمود حیران ہوگیا۔

"جو اجمل گڈو کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔"

"اجمل گڈو! آپ بہت حیرت انگیز سی باتیں کر رہے ہیں انکل — خیر تو ہے — آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں! میں بالکل ٹھیک ہوں — آپ اپنی بات کریں۔" اس نے منہ بنایا۔

"اللہ کا بہت احسان ہے — ہم تو کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہیں۔"

"اگر میں آپ تینوں کی تلاشی لینا چاہوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"تلاشی — لیکن کیوں — کیا ہم چور ہیں؟" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ارے نہیں — ایسی کوئی بات نہیں — مجھے تو بس یونہی ایک خیال آیا تھا — خیر — میں چلتا ہوں۔"

"معاملہ کیا ہے — کیا ہم کچھ مدد کر سکتے ہیں؟"

"ارے ہاں! واقعی — میں آپ سے مدد کیوں نہ لوں — آیئے میرے ساتھ۔"

اسی وقت بیرا پانی کے گلاس ایک ٹرے میں رکھ کر لے آیا۔

"یہ ابھی آتے ہیں۔"

"بہت بہتر جناب —" بیرا بولا۔

وہ انھیں اوپر لے آیا — اور پھر مقتول کے کمرے میں
داخل ہوا:

"اس کمرے میں ایک شخص اجمل گنڈ کو قتل کر دیا گیا تھا — کچھ دیر پہلے مجھے فون پر اطلاع دی گئی کہ اس کمرے سے دھواں اُٹھ رہا ہے — کمرہ چوں کہ ہم نے سیل کرا دیا تھا — اس لیے مجھے فوراً یہاں آنا پڑا — کمرے سے واقعی دھواں خارج ہو رہا تھا — میں نے کمرہ کھلوایا — آپ کو یہ سُن کر ضرور حیرت ہو گی کہ اندر کپڑوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر پڑا سلگ رہا تھا، اور کمرے کو آگ واگ نہیں لگی تھی۔"

"چلو اچھا ہوا — بال بال بچے۔" فاروق نے دانت نکالے۔

"اوہو — آپ سن تو لیں — ہم نے سوچا — کپڑوں کا ڈھیر آگ دکھا کر روشن دان کے ذریعے اندر پھینکا گیا ہے اور ایسا کرنے والے کے لیے چھت پر جانا ضروری تھا — لہٰذا میں اپنے ساتھیوں کو لے کر اوپر چلا گیا — لیکن اوپر کچھ نہیں تھا — نیچے آیا تو دو لڑکے اور ایک لڑکی کمرے سے نکل رہے تھے — مجھے دیکھ کر وہ بھاگ نکلے — تعاقب کیا، لیکن وہ نکل چکے تھے — عجیب بات بس یہ ہے کہ وہ بھی آپ کی طرح دو لڑکے اور ایک لڑکی تھے اور کپڑے بھی بالکل آپ جیسے تھے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"اور شکل صورت بھی بالکل ہم جیسی تھی انکل۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں — یہ میں نے کب کہا۔"

"اس کا مطلب ہے — وہ کسی طرح کمرہ کھلوانا چاہتے تھے لیکن کمرہ سیل کر دیا گیا تھا — انھوں نے یہ چال چلی کہ کچھ کپڑوں کا ایک بنڈل سا بنایا اور اسے آگ دکھا کر روشن دان کے ذریعے اندر پھینک دیا — اس طرح کمرے سے دھواں نکلنے لگا، اور آپ کو آنا پڑا — آپ نے کمرے کو کھلوایا — پھر جونہی آپ چھت پر گئے — وہ آس پاس کہیں سے نکل کر کمرے میں گھس گئے، اور شاید کوئی چیز وہاں سے نکال لے گئے۔"

"ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے — افسوس اس بات کا ہے کہ وہ نکل گئے — ورنہ اجمل گنڈ کا قتل کیس میں نے حل کر دیا تھا — ان تینوں کا ضرور اس قتل سے گہرا تعلق ہے۔"

"اوہ! تب تو وہ آپ کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتے تھے۔"

"خیر — میں اتنا کمزور بھی نہیں۔"

"اور وہ آپ کے شوکی برادرز۔" فاروق مسکرایا۔

"وہ — پتا نہیں — کہاں غائب ہو گئے ہیں — ضرور یہ بھی ان کی کوئی چال ہے۔"

انھوں نے جلالی نور کی موجودگی میں کمرے کو بغور

دیکھا — اور پھر نفی میں سر ہلا دیے:

"یہاں تو کوئی بھی خاص چیز نہیں ہے۔"

"خاص چیز تو وہ لے گئے۔" جلالی نور نے جل کر کہا۔

"آیئے چلیں۔"

تھوڑی دیر بعد جلالی نور اپنے ماتحتوں کے ساتھ واپس جا رہا تھا اور وہ اپنے کمرے کا رخ کر رہے تھے۔

"محمود — میں وہ چیز دیکھنے کے لیے بے چین ہوں — جو تم نے الماری کے نیچے سے اٹھائی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور میں وہ چیز دیکھنے کے لیے بے چین ہوں، جو فاروق نے راکھ میں سے اٹھائی ہے۔"

"زیادہ بے چین ہونے کی ضرورت نہیں — کمرے کا دروازہ بند کر کے ہم یہی کام کریں گے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اور غلطی کریں گے —" فرزانہ نے عجیب لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"جلالی نور ہوٹل سے باہر نکل کر یہ ضرور سوچے گا کہ ہمارے کپڑے ان تینوں جیسے کیوں ہیں — پھر وہ اس نتیجے پر ضرور پہنچے گا کہ یہ اتفاق نہیں ہو سکتا — اس کے بعد وہ ضرور ادھر آئے گا — اور چھپ کر ہمیں دیکھنے کی کوشش کرے گا۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں — بات ٹھیک ہے — لہٰذا ان چیزوں کو ابھی جیب میں ہی رہنے دو، اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دو۔" محمود نے کہا۔

"یہی تو مشکل ہے — نہ جانے ادھر ادھر کی باتوں کو کیا ہو گیا ہے، آج کل سوجھ ہی نہیں رہیں۔" فاروق نے جل کر بولا۔

"باتوں کو نہیں — تمہیں اور تمہاری زبان کو کچھ ہو گیا ہے۔" محمود مسکرایا۔

"تو یوں کہو نا — فاروق کی زبان کو سانپ سونگھ گیا ہے۔"

"لو اور سنو — اب زبان کو بھی سانپ سونگھنے لگے —" فاروق نے اسے گھورا۔

"بس ٹھیک ہے — ہو گئیں شروع ادھر ادھر کی باتیں — یہی مقصد تھا میرا۔" محمود مسکرایا۔

"لیکن — ہمیں یہ کس طرح معلوم ہو گا کہ وہ حضرت ہمیں دیکھنے آ گئے ہیں یا آ کر جا چکے ہیں۔" فاروق بولا۔

"فرزانہ کے کان سلامت رہیں۔"

"شش — میرا خیال ہے — وہ آ رہا ہے۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"بھئی فرزانہ — کیس میں ذرا مزا نہیں آ رہا — کیوں نہ

ہم واپس چلے چلیں۔" محمود جلدی سے بولا۔

"اور ابّا جان کا کیا کریں۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"بس یہی تو مشکل ہے — ورنہ میں تو —" محمود نے فوراً کہا —

"ہاں! ہاں! میں جانتا ہوں — تم تو کبھی کے جا چکے تھے۔" فاروق مسکرایا۔

"اور پھر — اس کیس میں کوئی کام کی چیز بھی تو ہاتھ نہیں لگ سکی اب تک۔" فرزانہ نے کہا۔

"تاہم — ہم خیالی گھوڑے تو دوڑا ہی سکتے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہوں! یہ بھی ٹھیک ہے، اور تمھارے خیالی گھوڑے کیا کہتے ہیں۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"انھیں کہنا تو کچھ بھی نہیں آتا — بس دوڑ سکتے ہیں۔"

"وہ — وہ اب واپس جا رہا ہے — شاید ہماری اوٹ پٹانگ باتوں نے اسے مایوس کر دیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

فاروق جلدی سے اٹھا اور دروازے کی طرف لپکا۔

"کہاں جا رہے ہو۔" محمود گھبرا گیا۔

"فرزانہ کے کانوں کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔" محمود نے کہا۔

فاروق نے آواز پیدا کیے بغیر چٹخنی گرائی — اور برآمدے میں جھانکا — کوئی تیز تیز قدم اٹھاتا زینے کی طرف بڑھ رہا تھا — اسے بہت حیرت ہوئی — وہ پلک جھپکنے میں کمرے سے نکل آیا اور اس کے پیچھے لپکا — ایسے میں اس نے محمود کی آواز سنی:

"کہاں چل دیے؟"

"فرزانہ کے کانوں کا امتحان لینے جا رہا ہوں۔" اس نے دبی آواز میں کہا اور باہر نکل گیا — اس کے باہر نکلتے نکلتے محمود جلدی سے بولا۔

"لیکن فرزانہ کے کان تو یہیں — اس کے جسم پر موجود ہیں۔"

فاروق تو اس کی بات کا جواب نہ دے سکا — کیوں کہ اس وقت تک کئی قدم آگے بڑھ چکا تھا — لیکن فرزانہ نے اسے ضرور کھا جانے والی نظروں سے گھورا —

ادھر فاروق نے زینے کی طرف جاتے ہوئے شخص کے نزدیک پہنچنے کی کوشش کی — اسے قدرے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ اس شخص کا لباس جلالی نور والا نہیں تھا — اگرچہ ڈیل ڈول اس جیسا ہی تھا:

"حیرت ہے — انسپکٹر جلالی نور نے اتنی جلدی لباس کس طرح
تبدیل کر لیا۔" وہ بڑبڑایا اور پھر زینے تک جا پہنچا — اس
وقت تک جلالی نور نیچے پہنچ چکا تھا — فاروق جب نیچے پہنچا
تو اسے بیرونی دروازے سے نکلتے پایا:

"اوہو — ان حضرت کی تو رفتار ہی بہت تیز ہے —" اس
نے اپنے آپ سے کہا.

پھر اس نے بھی رفتار زیادہ کر دی — اور ہوٹل سے نکل
آیا — باہر پولیس کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا — اور وہ
حضرت ایک کار میں بیٹھ رہے تھے — اس وقت فاروق نے
اسے بالکل صاف طور پر دیکھا — وہ جلالی نور نہیں تھا — لمبے
قد کا ایک آدمی تھا — نہ جانے اس کے جی میں کیا آئی —
فوراً ہی ایک ٹیکسی روک لی اور پھر اس میں بیٹھتے ہوئے
بولا:

"اس کار کا تعاقب کرنا ہے۔"

"جی بہت بہتر!" اس نے کہا اور ٹیکسی کار کے پیچھے روانہ
ہو گئی —

تعاقب دس منٹ تک جاری رہا — پھر لمبا آدمی ایک سڑک
پر اتر گیا — فاروق نے بھی ٹیکسی روک لی — تاہم وہ اس
میں ہی بیٹھا رہا:

"کیا آپ اتریں گے نہیں؟"

"نہیں! پہلے یہ دیکھ لوں — یہ حضرت کہاں جاتے ہیں۔"

"بہت اچھا۔" ڈرائیور نے کہا اور سونے کے انداز میں
آنکھیں بند کر لیں — شاید وہ بہت تھکا ہوا تھا۔

فاروق نے اس شخص کو ایک کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا۔
پہلے اس نے سوچا، اب واپس چلنا چاہیے، لیکن پھر جی میں
آئی کہ کیوں نہ کوٹھی کا اندر سے جائزہ لے لیا جائے — اس
خیال کے اُٹھتے ہی وہ ٹیکسی سے اُترا — صدر دروازہ اندر سے
بند ملا، اپنی عادت کے مطابق اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا،
اور پھر ایک پائپ اوپر تک جاتا نظر آ گیا — اس کی باچھیں
کھل اٹھیں — جوتے اتار کر وہ اوپر چڑھتا چلا گیا — چھت پر
پہنچ کر اس نے زینے کا رخ کیا — اس کی خوش قسمتی کہ زینے
دوسری طرف سے بند نہیں تھا — چنانچہ وہ سیڑھیاں اترتا چلا
گیا — آخری سیڑھی پر پہنچ کر اس نے خود کو کوٹھی کے صحن
میں پایا — صحن کے چاروں طرف کمرے تھے — دائیں طرف ایک
برآمدہ بھی تھا — ایک کمرے میں اسے باتوں کی آواز سنائی دی،
اس کے قدم اس طرف اٹھتے چلے گئے —

"انسپکٹر جمشید کے بچے اس وقت ہوٹل گلنار میں موجود ہیں،
میں انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں۔" کوئی کہہ رہا

تھا۔

"انھیں بھی گھیر کر لانا ہوگا — ورنہ یہ لوگ شاید معاملے کی تہ تک پہنچ جائیں۔" دوسری آواز ابھری۔

"اگر آپ حکم کریں تو ہم اسی وقت یہ کام کر ڈالتے ہیں۔ وہ تو ہمارے ساتھ کولھو کے بیل کی طرح چلے آئیں گے۔"

فاروق نے بُرا سا منہ بنایا — اسے اس شخص پر غصہ بھی آیا — وہ انھیں کولھو کا بیل کہہ رہا تھا — اس نے دل ہی دل میں کہا:

"کوئی بات نہیں! ہم بھی اسے اُلو کی دم بنا کر رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے — تم جاؤ اور جیسے بھی ہو، انھیں لے آؤ۔ انسپکٹر جمشید پہلے ہی ہمارے ہتھے چڑھ چکا ہے۔"

فاروق نے جونہی یہ الفاظ سنے — دھک سے رہ گیا اور پھر اس کے قدم واپس اٹھنے لگے — پائپ کے راستے ہی وہ کوٹھی سے باہر پہنچا اور پھر اس نے ہوٹل کی طرف دوڑ لگا دی — ایک جگہ اسے ایک ٹیکسی مل گئی — اس نے دوڑنے کی بجائے ٹیکسی کو بہتر خیال کیا — کمرے میں داخل ہونے سے پہلے وہ محمود اور فرزانہ کو یہ بات بتانے کے لیے بُری طرح بے چین تھا — لیکن جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا، تلملا کر رہ گیا —

محمود اور فرزانہ کمرے میں نہیں تھے۔

"دھت تیرے کی — یہ دونوں کہاں غائب ہو گئے۔" اس نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا اور پھر بڑبڑایا:

"ہائیں — میں — میں محمود تو نہیں ہوں —" پھر اس نے خود سے کہا۔

"اب میں کیا کروں — دشمن تو اس وقت تک یہاں آنے کے لیے روانہ ہو چکے ہوں گے۔"

اس خیال کے آتے ہی وہ تیزی سے حرکت میں آ گیا اور دشمن کا سامنا کرنے کی تیاری کرنے لگا — اچانک دستک ہوئی۔

خبردار

"کمال ہے — یہ حضرت کہاں رہ گئے۔" محمود نے ایک منٹ گزر جانے کے بعد کہا۔

"ہو سکتا ہے، جلالی نور نے اسے دیکھ لیا ہو — اور اب وہ اس سے بحث کر رہا ہو۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا

"اس صورت میں ہمیں جا کر اسے اوپر لے آنا چاہیے۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — آؤ چلیں۔"

دونوں نیچے پہنچے، لیکن فاروق کہیں بھی نظر نہ آیا —

اب محمود کاؤنٹر کی طرف بڑھا، اور کلرک کو اپنی طرف متوجہ کر کے بولا:

"آپ نے ہمارے بھائی کو تو نہیں دیکھا؟"

"تھوڑی دیر پہلے باہر گئے ہیں۔"

"شکریہ جناب —" دونوں پیچھے ہٹ آئے۔

"پتا نہیں — کہاں چلا گیا — خیر آؤ — اب اوپر بیٹھ کر

ہی اس کا انتظار کر سکتے ہیں۔"

دونوں اوپر جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فرزانہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے —

"اوہو — یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔"

"جو نظر آ رہا ہے، دیکھ لو — کوئی حرج نہیں۔" محمود مسکرایا۔

"نہیں محمود — آؤ — یہیں بیٹھیں گے ہم —" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"آخر ایسی کیا چیز نظر آ گئی ہے۔"

فرزانہ نے کوئی جواب نہ دیا — میز کی طرف بڑھ گئی —

محمود نے بھی اس کا ساتھ دیا، اور کرسی پر بیٹھنے کے بعد فرزانہ کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا — قدرے فاصلے پر ایک میز پر اسے ایک لڑکی بیٹھی نظر آئی — فرزانہ بغور اس کی طرف دیکھ رہی تھی — جب کہ اس کا رخ دوسری طرف تھا:

"اس لڑکی میں کیا خاص بات نظر آ گئی تمہیں؟"

"اس کی کلائی پر بندھی گھڑی —" فرزانہ نے بہت دھیمی آواز میں کہا، لیکن دوسری طرف لڑکی زور سے چونکی — اس نے فوراً ان دونوں کی طرف دیکھا:

"پک — پکڑے گئے —" فرزانہ بڑبڑائی۔

"تمہیں منہ سے لفظ گھڑی نہیں نکالنا چاہیے تھا — سارا کام خراب کر دیا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ لڑکی مسکرائی — گویا یہ جملہ بھی اس نے صاف سن لیا تھا — پھر اٹھی اور ان کی طرف قدم اٹھانے لگی۔

"لو اب کرو اس سے ملاقات —" محمود نے جل کر کہا۔

"شکریہ — ابھی کرتی ہوں۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

لڑکی ان کے قریب آ کر رک گئی اور پھر پُر اخلاق انداز میں بولی:

"میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔"

"ضرور — کیوں نہیں۔" فرزانہ بولی۔

وہ فرزانہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی:

"اس گھڑی میں آپ کو کیا عجیب بات نظر آ گئی۔" اس نے اچانک کہا۔

"آپ کے کان بہت تیز ہیں۔" فرزانہ نے جواب دینے کی بجائے کہا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اس نے منہ بنایا۔

"تو آپ نے ہماری باتیں اپنے کانوں کے ذریعے نہیں،

اس گھڑی کے ذریعے سنی تھیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! یہی سمجھ لیں — سوال یہ ہے کہ اس گھڑی میں آپ کو عجیب بات کیا نظر آ گئی تھی۔"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے اور ہم ہال میں بیٹھ کر نہیں سنا سکتے۔"

"تو پھر — کہاں سنا سکتے ہیں۔"

"ہم اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں — آیئے اوپر کمرے میں چلیں۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ضرور — کیوں نہیں۔" اس نے کہا۔

کمرے میں آ کر انھوں نے دروازہ بند کر دیا، اور کرسیوں پر بیٹھ گئے —

"اب بتایئے — یہ گھڑی آپ نے کہاں سے لی۔"

"اس گھڑی کی کہانی بہت عجیب ہے — لیکن پہلے آپ بتائیں، آپ کو اس میں کیا عجیب بات نظر آئی تھی۔"

"بالکل اس قسم کی ایک گھڑی کے بارے میں ہم بہت کچھ سن چکے ہیں۔"

"حیرت ہے — میرا خیال تھا کہ اس قسم کی گھڑیوں کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی — محمود اور فرزانہ نے چونک

کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا — کیوں کہ انداز فاروق کا نہیں تھا — پھر محمود اٹھا اور دروازہ کھول دیا — ایک آدمی فوراً کمرے میں داخل ہوگیا — اس کے ہاتھ میں پستول تھا:

"یہ گھڑی میرے حوالے کر دو۔"

"کیا مطلب؟"

"سنا نہیں — گھڑی میرے حوالے کر دو؟"

اس نے لرزتے کانپتے گھڑی اس کی طرف بڑھا دی۔

"اب تم تینوں دیوار سے جا کر لگ جاؤ — اور دیکھو — مڑ کر نہ دیکھنا — ورنہ پتھر کے ہو جاؤ گے۔"

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا — پھر محمود نے کہا:

"معاملہ کیا ہے جناب۔"

"خبردار — تم کوئی سوال نہیں کرو گے — جو کہا ہے — بس وہ کرو۔"

تینوں دیوار کی طرف سرکنے لگے —

"منہ دیوار کی طرف کر لو — میں تین تک گنوں گا — تین پر تم ادھر سکتے ہو۔"

ایک منٹ گزر گیا، لیکن ایک دو تین نہ کہا گیا — محمود نے جھلا کر کہا:

"کہنا ہو تو کہو — ورنہ ہم مڑتے ہیں۔"

اور اس نے مڑ کر دیکھا — پستول والا غائب تھا۔

"ارے — وہ نکل گیا — میری گھڑی لے گیا۔" اس لڑکی نے چیخ کر کہا، پھر تینوں نیچے کی طرف دوڑے — بیرونی دروازے سے نکلے تو وہ ایک نیلے رنگ کی کار میں بیٹھتا نظر آیا — اسی وقت کار روانہ ہو گئی — انھوں نے جلدی جلدی ادھر ادھر دیکھا — پھر ایک ٹیکسی نظر آ گئی — وہ افراتفری کے عالم میں اس میں سوار ہو گئے — اور نیلی کار کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے:

"آخر یہ چکر کیا ہے؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"پپ — پتا نہیں — ایسا معلوم ہوتا ہے — جیسے یہ شخص گھڑی چور ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی — کیا اس پورے شہر میں اسے بس آپ کی ہی گھڑی پسند آئی تھی۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"آپ کا نام کیا ہے — اس گھڑی کی کہانی کیا ہے۔" محمود نے اگلی کار پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے — درمیانی فاصلہ برابر بڑھ رہا ہے — کہیں وہ نکل نہ جائے۔" فرزانہ کی آواز سے پریشانی جھلک رہی تھی

"بھائی ڈرائیور صاحب — کچھ خیال کریں۔"

"میں قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا جناب — اس سے زیادہ رفتار پر چالان ہو جائے گا۔"

"اوہ — آپ فکر نہ کریں — چالان کی ذمے داری ہم پر ہو گی۔"

"نہیں جناب — پہلے سب یہی کہتے ہیں، جب چالان ہو جاتا ہے تو کوئی ذمے دار نہیں بنتا۔"

"اچھا — یہ بات ہے — خیر یہ پانچ سو روپے رکھ لو — اگر چالان ہو گیا تو اس میں سے ادا کر دینا —" محمود نے بھنا کر کہا اور جیب سے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"واہ — یہ ہوئی نا بات —" اس نے خوش ہو کر کہا، نوٹ لیا اور رفتار بڑھا دی — درمیانی فاصلہ لمحہ بہ لمحہ کم ہونے لگا۔

"آپ نے نہ تو اپنا نام بتایا اور نہ گھڑی کی کہانی سنائی۔" محمود نے کہا۔

"جب تک گھڑی مجھے نہیں مل جاتی — نہ نام بتاؤں گی — نہ کوئی اور بات کروں گی۔" اس نے غصے میں آ کر کہا۔

"اوہ اچھا — آپ بھی کیا یاد کریں گی — ہم گھڑی آپ کو ضرور دلوائیں گے — ڈرائیور صاحب — کیا آپ تھوڑی سی مہارت کا اور ثبوت نہیں دے سکتے۔"

"کیوں نہیں دے سکتا — جتنے ثبوت آپ کہیں — میں نے کاروں کی سالانہ ریس میں سونے کا تمغہ جیتا تھا — اخبارات میں خبر چھپی تھی — اگر میری اس بات پر یقین نہیں تو بائیں جیب سے اخبار کی کٹنگ نکال کر دیکھ سکتے ہیں۔"

"تو ثبوت آپ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں، لیکن جناب ہمیں ذرا عملی ثبوت کی ضرورت ہے — آپ اس نیلی کار سے آگے نکل کر دکھا دیں — بات ثابت ہو جائے گی۔"

"یہ کیا مشکل بات ہے — ابھی لیں۔"

اور پھر واقعی وہ آگے نکل گیا — اس وقت تک وہ شہر سے باہر نکل چکے تھے — ڈرائیور نے ٹیکسی ترچھی کر کے کھڑی کر دی — نیلی کار والے کو رکنا پڑا۔

"یہ کیا ہے بھئی —" نیلی کار والے نے چلا کر کہا۔

"جی وہ — ان کی گھڑی — جو آپ غلطی سے لے آئے ہیں، انھیں دے دیں۔" محمود نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا کہا — غلطی سے لے آیا ہوں — دماغ تو نہیں چل گیا — ارے بے وقوف — وہ تو میں پستول کے زور پر لایا ہوں —"

"اوہ ہاں واقعی — ہم تو بھول ہی گئے — خیر — اب آپ مہربانی فرما کر ان کی گھڑی ان کے حوالے کر دیں — اور ہم

کچھ نہیں چاہتے۔" محمود بولا۔

"کیوں واپس کر دوں — میں نے اتنی محنت اس لیے نہیں کی تھی کہ واپس کر دوں گا۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"آپ کی مرضی — اب ہم خود آپ سے گھڑی حاصل کریں گے۔" فرزانہ سرد آواز میں بولی۔

"تم اور گھڑی حاصل کرو گے — اس وقت تو پستول دیکھ کر سٹی گم ہو گئی تھی۔"

"وہ تو بھول میں گم ہو گئی تھی۔" محمود مسکرایا۔

"کیا کہا — کہیں سٹی بھی گم ہو سکتی ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم اپنی سٹی کا ذکر کر رہے ہیں — آپ کی نہیں — اور اب میں گھڑی وصول کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود نے ایک قدم آگے بڑھا دیا۔

"خبردار — وہی پستول اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔"

"ہماری نظریں کمزور نہیں ہیں۔" فرزانہ نے گویا اعلان کیا۔

محمود کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے پستول والا ہاتھ تان لیا — یہ دیکھ کر فرزانہ نے بھی اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا — لیکن وہ اس کی کمر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"خبردار — حرکت مت کرو۔"

"کیسے نہ کریں جناب — آپ کو معلوم نہیں — حرکت میں ہی برکت ہے۔" محمود ہنسا۔

ساتھ ہی اس نے ایک طرف چھلانگ لگائی — کیوں کہ پستول والے ہاتھ کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالتی محسوس ہوئی تھی — ادھر وہ گرا — ادھر گولی چلنے کا دھماکا ہوا — عین اسی وقت فرزانہ نے دائیں طرف سے اس پر چھلانگ لگا دی — وہ پوری طرح محمود کی طرف متوجہ تھا — اس لیے پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا — اب وہ فرزانہ کے ہاتھ میں نظر آیا۔

"ہوں — اب کیا خیال ہے۔"

"حیرت ہے — اگر آپ لوگ اس قدر آسانی سے گھڑی لے سکتے تھے تو ہوٹل کے کمرے میں ایسا کیوں نہ کیا۔" لڑکی نے حیران ہو کر کہا۔

"اس شخص کے تیور خطرناک تھے — ہوٹل میں گولی چلتی تو ایک ہنگامہ بپا ہو جاتا — لہٰذا ہم نے سوچا — کیوں نہ ہوٹل سے باہر دو دو ہاتھ کیے جائیں — لیکن ابھی ہم نے اس سے دو دو ہاتھ نہیں کیے ہیں — میرا خیال ہے — دو دو ہاتھ بھی کر ہی لیے جائیں — کہیں حسرت نہ رہ جائیں — آج کل یوں بھی — دو دو ہاتھ کرنے کے بغیر مزا نہیں آتا۔" اس نے جلدی جلدی کہا اور پستول والے پر چھلانگ لگائی — وہ اس

کی پھرتی دیکھ کر بھونچکا رہ گیا اور چاروں شانے چت گرا —

"محترمہ اب آپ اپنی گھڑی وصول کر لیں — پھر ہم شہر چلیں گے — اور آپ سے گھڑی کی کہانی سنیں گے اور ان صاحب کو کریں گے پولیس کے حوالے۔"

"بالکل ٹھیک —" لڑکی نے خوش ہو کر کہا اور جھک کر اس کی جیب سے گھڑی نکال لی — اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی اور پھر ہاتھ پر باندھ لی —

اس وقت تک فرزانہ پستول والے کے نزدیک پہنچ چکی تھی — اچانک اس کا ہاتھ بلند ہوا اور پستول کا دستہ اس کے سر پر پورے زور سے لگا — اس کی چیخ نکل گئی — دوسرے لمحے وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

"یہ — یہ کیا کیا" لڑکی نے گھبرا کر کہا۔

"اب اسے پولیس اسٹیشن تک لے جانا آسان ہو گا، ورنہ یہ راستے میں کوئی شرارت کر سکتا تھا۔"

"ہوں — آپ دونوں بہت عجیب ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس کا مطلب ہے — ہمیں کم عجیب ہونا چاہیے تھا —" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"ابھی تو ہمارا بھائی ہمارے ساتھ نہیں ہے — ورنہ ہم

آپ کو اور بھی عجیب لگتے۔"

"اوہ — وہ — کہاں ہے۔" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"اسی قسم کا ایک کام کرنے گیا تھا — شاید اب تک لوٹ کر آ چکا ہو۔"

وہ واپس روانہ ہوئے — پستول والے کو پستول سمیت پولیس کے حوالے کیا — اور ہوٹل پہنچے — وہ کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ گئے تھے — لیکن اب جو وہاں پہنچے — دروازہ اندر سے بند تھا۔

یہ دیکھو

فاروق نے دروازہ کھول دیا—

"تم کہاں چلے گئے تھے—ارے—یہ کون صاحبہ ہیں؟" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"پہلے اندر تو آنے دو—پھر سوالات بھی کر لینا۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"لیکن میں تو یہاں سے نکل بھاگنے کی تیاری کر رہا تھا۔"

"وہ کیوں؟"

"کچھ لوگ ہمارے استقبال کے لیے یہاں آیا ہی چاہتے ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" دونوں چونکے۔

فاروق نے جلدی جلدی ساری بات بتا دی۔

"اوہ! تو یہ بات ہے—خیر—ہم بھی ان کا شایانِ شان استقبال کریں گے۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے—ہم یہاں سے کھسک جاتے ہیں۔"

"یہ بہادری نہیں—تم دروازہ اندر سے بند کر دو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے۔" فاروق نے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

اب وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے—

"جلدی سے ان کا تعارف کرا دو۔"

"ان کا نام—ارے ہائیں—نام تو ابھی تک ہمیں بھی معلوم نہیں—کیا آپ اب بھی اپنا نام نہیں بتائیں گی؟"

"ضرور کیوں نہیں—میں ساجدہ ہوں۔"

"اب اس گھڑی کی کہانی بھی سنا دیں۔"

"یہ بہت عجیب و غریب انداز میں مجھ تک پہنچی ہے۔"

"چلیے ہم سن لیں گے—کوئی بات نہیں۔" فاروق مسکرا دیا۔

"بہت اچھا—لیکن یہاں تو کچھ لوگ آنے والے ہیں—آپ اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسائیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں—ہم ان سے نبٹ لیں گے۔"

عین اسی وقت دستک ہوئی—ان کے کان کھڑے ہو گئے—پھر محمود اٹھ کر دروازے کے پاس آ گیا اور پرسکون آواز میں بولا:

"جی فرمائیے—کون صاحب ہیں۔"

"دروازہ کھول دو — ورنہ ہم توڑ دیں گے۔" باہر سے غرّاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"توڑ دیں گے — لیکن کیوں — دروازہ نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"توڑ دو دروازہ — یہ لوگ یوں نہیں مانیں گے۔"

"بہت بہتر استاد —" باہر کسی نے بلند آواز میں کہا اور اسی وقت دروازے پر زور دار ٹکر ماری گئی —

"ہائیں — یہ آپ کیا کر رہے ہیں — ہوٹل والے آ جائیں گے۔"

"پروا نہیں — ہم کہہ دیں گے — اندر چور گھسے ہوئے ہیں۔"

"چور — دماغ تو نہیں چل گیا — ہم نے یہ کمرہ باقاعدہ کرائے پر لیا ہے۔" فاروق چلایا۔

اسی وقت دوسری ٹکر لگی۔

"تو کیا ہوا — کیا چور کمرے کرائے پر نہیں لے سکتے۔" باہر سے کہا گیا۔

"پتا نہیں — یہ تو چور ہی بتا سکتے ہیں — ویسے ہم نے آپ کا چرایا کیا ہے؟"

"ایک عدد گھڑی —"

"ہائیں — گھڑی — لیکن جناب گھڑی ہم نے نہیں — ہاں ان محترمہ نے چرائی ہو تو اور بات ہے — یہ جو اس وقت اتفاق سے ہمارے

ساتھ ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے — ہم گھڑی ان سے ہی حاصل کر لیں گے — دروازہ کھول دو۔"

"کیوں — ٹوٹ نہیں رہا کیا۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

تیسری ٹکر ماری گئی — اور دروازہ چوں چوں کرتا نظر آیا —

"اب دروازہ زیادہ دیر ان کے مقابلے پر نہیں ٹک سکے گا — کیا خیال ہے۔" محمود نے ان کی طرف دیکھا —

"ترکیب نمبر ۱۳ —" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"اچھی بات ہے۔" محمود نے کہا اور دروازہ کی طرف مڑا۔

"ترکیب نمبر ۱۳ — کیا مطلب؟" ساجدہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"اس ترکیب کا تعلق دیکھنے سے ہے — بس دیکھتی جائیں۔" فاروق نے جواب دیا۔

پھر جونہی چوتھی ٹکر ماری گئی — محمود نے غیر محسوس طور پر چٹخنی گرا دی — چٹخنی گراتے ہی وہ ایک طرف ہٹ گیا — ان تینوں کو بھی ادھر ادھر ہونے کا اشارہ کیا — وہ دیوار سے جا لگے، اور ساتھ ہی حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے — محمود نے جھک کر اپنا چاقو نکال لیا — اس بار جو دروازے پر ٹکر ماری گئی تو ٹکر مارنے والے سیدھے اندر آ کر گرے — محمود فاروق اور فرزانہ نے اندر آ کر گرنے والوں کو لاتوں اور

مکوں پر رکھ لیا — لیکن فوراً ہی ایک آواز گونجی :

"خبردار — ابھی میں باہر موجود ہوں۔"

"تو روکا کس نے ہے — آ جایئے آپ بھی اندر۔" فاروق بولا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو — میرے ہاتھ میں بہت خطرناک پستول ہے۔"

"اوہو اچھا — چلو بھئی اٹھا دو ہاتھ۔" محمود نے چونک کر کہا۔

ان کے ہاتھ اٹھاتے ہی باہر کھڑا شخص اندر آ گیا — اس کے چہرے سے غنڈا پن جھلک رہا تھا — یہ وہی تھا جس کا فاروق نے تعاقب کیا تھا — اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پستول چمک رہا تھا — اور آنکھوں میں ایک خونی چمک تھی —

"آپ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"ہوٹل کے پچھلے دروازے پر ایک عدد کار کھڑی ہے — چپ چاپ اس میں بیٹھ جاؤ۔"

"بہت بہتر — ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔" محمود نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بھی ساتھ چلیں گی۔" وہ غرایا۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا محترمہ — ہم نے اپنے ساتھ آپ

کو بھی پھنسوا دیا۔" فاروق نے اس کی طرف دیکھا — وہ کچھ نہ بولی۔

"میں آگے آگے چلوں۔" پستول والا غرایا۔

"جانا کہاں ہے؟"

"تم کوئی سوال نہیں کرو گے۔"

"اگر ہمیں اس طرح جاتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا۔" فرزانہ بولی۔

"اس سلسلے میں تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"آؤ بھئی چلیں۔"

ہاتھ اٹھاتے ہوئے وہ آگے بڑھے — اندر آ کر فرش پر گرنے اور ان کی لاتیں اور مکے کھانے والے مشکل سے اُٹھنے میں کامیاب ہوئے تھے — اور ان کے چہرے غصے سے سرخ ہو رہے تھے — وہ ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے پستول والے کے قریب پہنچ گئے — ایسے میں فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"ارے — یہ پستول تو نقلی ہے۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"نہیں — یہ نقلی نہیں ہے — سو فی صد اصلی ہے۔" اس نے گرج کر کہا۔

"اچھا — ذرا دیکھوں۔" محمود نے یہ کہہ کر فوراً ہاتھ آگے

بڑھا دیا۔ اس سے پہلے کہ پستول والا ہاتھ نیچے کرتا۔ محمود نے ایک جھٹکے
سے پستول کھینچ لیا۔

"خبردار۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"بہت خوب۔ یہ ہوئی بات۔" لڑکی نے خوش ہو کر تالی بجا
دی۔

"نہیں محترمہ۔ تالی نہ بجائیں۔ ہمیں تالی بجانا پسند نہیں۔"
فرزانہ جلدی سے بولی۔

"کک۔ کیوں۔"

"اس لیے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور تالی بجانا غیر مسلموں کا طریقہ
ہے۔"

"ارے۔ تم لوگوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے اب تک۔" محمود
نے سرد آواز میں کہا۔

مشینی انداز میں ان کے ہاتھ اٹھ گئے۔

"فاروق۔ انسپکٹر کاشان کو فون کرو۔"

فاروق کچھ کہے بغیر فون کی طرف بڑھ گیا۔ فون کر
کے وہ مڑا ہی تھا کہ ایک عجیب بات ہوئی۔ ساجدہ کا ہاتھ تیزی
سے حرکت میں آیا۔ اور محمود کے ہاتھ سے ٹکرایا۔ محمود کو یوں لگا
جیسے کوئی سخت چیز ہاتھ کی ہڈی پر لگی ہو۔ پستول اس کے
ہاتھ سے نکل گیا۔ پستول والے نے فوراً پستول پر چھلانگ لگائی،

لیکن اسی وقت فاروق بھی حرکت میں آ گیا۔ دونوں ایک دوسرے
سے پورے زور سے ٹکرائے۔ اور الٹ کر گرے۔ یہ دیکھ کر
اس کے ساتھی پستول کی طرف جھپٹے۔ لیکن اس سے پہلے فرزانہ
نے پستول کو ایک ٹھوکر رسید کر دی، اور وہ سامنے والی دیوار
سے جا ٹکرایا۔ اب ساجدہ حرکت میں آئی اور پستول کی طرف
ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ ایسے میں محمود کی سرکاری ٹانگ کام آ
گئی۔ ساجدہ دھڑام سے منہ کے بل گری۔ ادھر فرزانہ نے
پستول پر چھلانگ لگائی۔ اسی وقت اس کی کمر پر کسی کی لات
لگی۔ وہ دھم سے عین پستول کے اوپر گری۔ اس نے اپنا ہاتھ
پستول کی طرف بڑھایا۔ اسی وقت پستول والے نے اس کی
کمر پر ایک پیر رکھ دیا۔

"اب تم اپنے جسم کے نیچے سے پستول نہیں نکال سکو
گی۔"

فرزانہ زخمی بلّی کی طرح غرّائی اور اٹھنے کی کوشش کی، لیکن
اٹھ نہ جا سکا۔ اتنے میں محمود پستول والے تک پہنچ گیا۔
اس نے اچھل کر سر کی ٹکر اس کی کمر پر رسید کر دی۔ وہ
لڑکھڑا کر دوسری طرف گرا۔ ساتھ ہی فرزانہ کے ہاتھ میں پستول
نظر آیا۔ اس نے چھت کی طرف نال کرتے ہوئے فائر کر
دیا۔ پستول والے کے ساتھی باہر کی طرف بھاگے۔ ساجدہ نے

بھی رکنے کی کوشش نہیں کی — اب کمرے میں صرف پستول والا رہ
گیا تھا — اور وہ ان کے درمیان گھرا کھڑا تھا — اس نے
چاروں طرف دیکھا — اور پھر ہاتھ اوپر اٹھا دیے:

"تو یہ لڑکی بھی تمہاری ساتھی ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔

"آخر تم لوگ کس چکر میں ہو؟"

"ہم صرف اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ اجمل گوڈ کے
معاملے میں ٹانگ نہ اڑاؤ اور بس — لیکن تم لوگوں کی ٹانگیں اس
معاملے میں پوری طرح اڑ چکی ہیں — اس لیے — مجبوراً ہم نے
تم لوگوں کو غائب کرنا شروع کر دیا ہے — اس وقت تک شوکی
برادرز اور انسپکٹر جمشید ہمارے قبضے میں آ چکے ہیں — بس تم
رہتے ہو۔"

"اور ہم نے تم پر قابو پا لیا ہے — گویا اب تمہارے ذریعے
ہم اس جگہ تک جا سکیں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"مشکل ہے — میرے ساتھیوں نے بے وقوفی کی — انھیں بھلا
بھاگنے کی ضرورت کیا تھی —" اس نے عجیب سے انداز میں
کہا۔

"کیا مطلب —؟" وہ چونکے۔

برآمدے میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں — انھوں نے

چونک کر دیکھا — ایک بھاری بھر کم آدمی کئی بیروں کے ساتھ چلا
آ رہا تھا —

"یہاں کیا ہو رہا ہے۔" اس کی آواز میں رعب تھا۔

"ہم اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں — ان صاحب نے
پستول سے ہم پر حملہ کیا ہے — ہم پولیس کو فون کر چکے ہیں۔"

"کیوں مسٹر —" اس نے سخت نظروں سے پستول کی طرف دیکھا۔

"ڈبرنگ —" اس نے کہا۔

"کیا کہا —" بھاری بھر کم آدمی گھبرا گیا۔

"ڈبرنگ۔" اس نے پھر کہا۔

"ارے باپ رے — میں تو چل دیا — آؤ بھئی —" اس نے
فوراً دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی جناب — کیا آپ اس ہوٹل کے منیجر ہیں۔"

"م — میں — مالک ہوں۔" اس نے بھاگ کر کہا۔

"تو پھر — آپ ڈبرنگ کا نام سن کر گھبرا کیوں گئے۔"

"یہ کیا چیز ہیں — ان سے بھی بڑے گھبرا جاتے ہیں۔"

"اور چاہیے — تم لوگوں کا تعلق اس نام سے کچھ بھی نہ
ہو —" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہو سکتا ہے — تم نے انھیں صرف ڈرانے کے لیے ڈبرنگ

کا نام لے دیا ہو۔"
"ڈبرنگ کا آدمی ہونے کا ہمارے پاس ثبوت موجود ہے،
یہ دیکھو۔" اس نے ہوٹل کے مالک کے سامنے اپنی کلائی کر
دی — انھوں نے دیکھا — اس کی کلائی پر بھی بالکل ویسی ہی
گھڑی موجود تھی —
اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی —

ہوٹل گلنار

سب نے چونک کر سامنے دیکھا — انسپکٹر کاشان چلا آ رہا تھا۔
"شکر ہے — آپ آ گئے۔" محمود بولا۔
"کیا معاملہ ہے بھئی؟" انھوں نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
"ڈبرنگ۔" محمود بولا۔
"کیا مطلب؟" انسپکٹر کاشان گھبرا گیا۔
"لیجیے — آپ بھی گھبرا گئے — آخر یہ ڈبرنگ کیا بلا ہے۔"
"آپ کے دارالحکومت کا ہوّا — اب یہ دوسرے شہروں تک
بھی پہنچ گیا ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔
"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔
"یہ ایک ملکی غنڈا ہے — لیکن اسے غیر ملکوں سے امداد اور
تخریب کاری کے آلات مفت ملتے ہیں۔"
"گویا غیر ملکی ایجنسیاں اس سے اپنی مرضی کے کام لیتی ہیں۔"
"ہاں! لیکن ڈبرنگ صرف ان کے ہی کام نہیں کرتا — ملکی

لوگوں کے بھی کام کرتا ہے۔"

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ کسی نے اجمل گڈ کو ختم کرانے کے لیے ڈبرنگ کی خدمات حاصل کی تھیں۔"

"اس بارے میں مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہاں کیا معاملہ ہے؟"

محمود نے جلدی جلدی ساری بات سنا دی۔ انسپکٹر کاشان نے سب کو ایک نظر دیکھا، ہوٹل کے مالک کو دیکھ کر وہ حیران سا ہوا۔ پھر اس کی نظریں کوبران پر جم گئیں۔

"میں تمھیں پہچان گیا ہوں کوبران۔ لیکن تمھارے ساتھ شمانا نظر نہیں آ رہی۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"اس کا نام کوبران ہے۔ اس کی ایک ساتھی ہے۔ شمانا۔ ہر وقت اس کے ساتھ رہتی ہے۔ بہت چلتے پرزے ہیں یہ۔ پولیس کے ہاتھ نہیں آتے۔ ہمیشہ بچ نکلتے ہیں۔ لیکن شاید آج کوبران کا ستارہ گردش میں ہے۔ شاید اس لیے کہ شمانا اس کے ساتھ نہیں ہے۔"

"شمانا بھی تھوڑی دیر پہلے یہیں تھی۔ وہ لڑکی جس نے اپنا نام ساجدہ بتایا۔ وہ ضرور شمانا ہی تھی۔ کیوں کہ اس نے اس کی مدد کی تھی۔"

"اس کا حلیہ کیا تھا۔" انسپکٹر کاشان نے بے چین ہو

کر کہا۔

"لمبا قد۔ دبلا پتلا جسم۔ رنگ سرخ اور سفید۔ لمبوترا چہرہ۔"

"بس بس۔ یہ شمانا کا ہی حلیہ ہے۔ حیرت ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر کیوں نکل گئی۔"

"میں نے ہی اشارہ کر دیا تھا۔ اب اس کا نکل جانا میرے کام آئے گا۔ آپ ہمیں گرفتار کر لیں۔ لیکن جلد ہی رہا کرنے پر مجبور ہوں گے۔" کوبران بے فکری کے عالم میں بولا۔

"اچھا! یہ بات ہے۔"

کوبران ہنس دیا۔ انسپکٹر کاشان کے اشارے پر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دی گئی۔

"انکل! کچھ بھی ہو۔ آپ اسے چھوڑیں گے نہیں۔" محمود بولا۔

"اگر میرے آفیسر مجھے حکم دیں تو؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"انھیں کہہ دیں۔ انسپکٹر جمشید صاحب کی ہدایات یہ ہیں کہ اسے نہ چھوڑا جائے۔" محمود بولا۔

"اور اگر اس پر بھی آفیسر وہی کہیں۔"

"تو آپ چھوڑ دیں۔ لیکن ہمیں اس آفیسر کا نام بتانا ہو گا۔ بلکہ چھوڑنے سے پہلے بتا دیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" اس نے کہا۔

وہ اسے لے کر چل دیے۔ اب وہاں ان تینوں اور

ہوٹل کے مالک کے علاوہ کوئی نہیں رہ گیا تھا — ہوٹل کے مالک کا چہرہ سفید تھا ؛

"یہ — یہ بہت برا ہوا — اب میرے ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"کیا مطلب ؛ کیوں اینٹ سے اینٹ بج جائے گی — آپ کا نام کیا ہے۔"

"گردھاری — اختر گردھاری — کوبران ڈیبرنگ کا خاص آدمی ہے، اور اس کی گرفتاری میرے ہوٹل سے ہوئی ہے، لہذا سارا نزلہ ہوٹل پر گرے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں — ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"آپ بھلا اس کے خلاف کیا کر سکیں گے — آپ لوگ کون ہیں — یہ تو میں جان گیا کہ آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔"

"ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں — شاید آپ نے کبھی نام سنا ہو گا۔"

"اوہ — آپ کا مطلب ہے — انسپکٹر جمشید کے بچے — جن کا ابھی آپ نے نام لیا تھا۔"

"ہاں! اس نے کہا۔

"بہت خوب — اب میرا اطمینان ہو گیا۔"

ہم ابھی آپ کے ہوٹل کی حفاظت کا انتظام کرتے ہیں۔"

محمود نے آئی جی صاحب کو فون کیا اور حالات بتائے — انھوں نے فوراً پولیس بھیجنے کا وعدہ کیا، اور وہ ہوٹل سے نکل آئے —

"ہم سے بھول ہو گئی — انکل کو اس عمارت کی طرف بھیجا تھا — جس میں مَیں نے اس شخص کو اپنے باس سے باتیں کرتے سنا تھا۔" فاروق نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کوبران کی گرفتاری کے بعد بھلا وہ وہاں کیوں ٹھہرنے لگے، تاہم ہم وہاں ضرور جائیں گے اور انکل کاشان کو ساتھ لے کر جائیں گے۔"

چنانچہ انھوں نے یہی کیا — لیکن عمارت میں تو اُلّو بول رہے تھے — وہاں اب کوئی نہیں تھا — اب محمود، فاروق اور فرزانہ کو چکر پر چکر آنا شروع ہوئے — شوکی برادرز کی گمشدگی ہی کیا کم پریشان کن تھی — کہ ان کے والد بھی غائب ہو گئے تھے — اب انھیں ڈیبرنگ اور اپنے ساتھیوں کا کھوج لگانا تھا — وہ دشمنوں کا ایک وار ضرور خالی کر چکے تھے — لیکن — اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ڈیبرنگ کے آدمی ان پر دوسرا وار نہیں کریں گے — چنانچہ انھوں نے انسپکٹر

کاشان کے دفتر میں بیٹھ کر غور کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس پروگرام میں انسپکٹر کاشان نے بھی شرکت کی۔

"انکل۔ اگر آپ ہمیں شروع سے حالات سنا دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔" ایسے میں محمود نے کہا۔

"لیکن بھئی۔ وہ تو میں پہلے ہی سنا چکا ہوں۔"

"شاید کوئی بات رہ گئی ہو۔ ایسی بات۔ جو اس وقت آپ کو اہم محسوس نہ ہوئی ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے۔ اب بھی غیر اہم ہی محسوس ہو رہی ہو۔ شاید ہمارے لیے وہ کارآمد ثابت ہو جائے۔"

"ایسی بات۔ بھلا کیا ہو سکتی ہے۔"

"یوں نہیں۔ آپ شروع سے حالات سنانا شروع کریں۔ شوکی برادرز کے بارے میں۔"

وہ حالات سنانے لگا۔ آخر اس عمارت تک پہنچا۔ جہاں کوبران اور شمانا شوکی برادرز کو لے گئے تھے، اور پھر اس کے آ جانے سے پہلے ہی فرار ہو گئے تھے۔ آخر میں اس نے کہا:

"اور وہ کوٹھی۔ اسی اختر گردھاری کی ہی تھی۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

O

محمود نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ جلد ہی اختر گردھاری کی صورت نظر آئی:

"اوہو! آپ ہیں۔"

"جی ہاں۔ ہیں تو ہم ہی۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"اعتراض کیسا۔ تشریف لائیے۔" اس نے رستا دیتے ہوئے کہا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ ایسے میں اختر گردھاری نے قدرے حیران ہو کر کہا:

"فرمائیے۔ کیسے زحمت کی۔"

"ایک عجیب بات نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔" محمود سرسری انداز میں بولا۔

"اور وہ کیا۔"

"آپ نے ہوٹل کے کمرے میں کوبران کو دیکھا تھا نا۔"

"بالکل دیکھا تھا۔ تو پھر۔"

"کیا آپ اس سے پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکے ہیں۔"

"کچھ کہہ نہیں سکتا — ویسے وہ کچھ جانا پہچانا محسوس ہوا تھا — بلکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ آج ہوٹل میں ہی اسے کہیں اور بھی دیکھ چکا ہوں۔"

"جی ہاں! بات ہے بھی یہی — آپ کو شوکی برادرز تو یاد ہوں گے — جنھیں ایک مرد اور ایک عورت پکڑ کر آپ کی اس کوٹھی میں لے آئے تھے — آپ کہیں گئے ہوئے تھے — لیکن اسی وقت آپ کی واپسی ہو گئی تھی اور آپ نے بھی انھیں دیکھ لیا تھا — پھر وہ فرار ہو گئے تھے۔"

"بالکل یاد ہے — اسی لیے میں نے ہوٹل میں الجھن محسوس کی تھی — لیکن میں یہ بات انسپکٹر صاحب کو نہ بتا سکتا — اس لیے کہ یقین نہیں آیا تھا — تو وہ کوبران ہی تھا — لڑکی کے ساتھ۔"

"ہاں! اگر آپ وہیں اس بات کا اظہار کر دیتے تو شاید ہم یہاں نہ آتے — آپ کو بلاوجہ زحمت دی — اب ہم چلیں گے۔" محمود نے کہا۔

"ارے ارے — یہ کیا بھئی — کم از کم چائے تو پی کر جائیں۔"

"جی نہیں —" محمود نے کہنا چاہا، لیکن فاروق نے فوراً بات کاٹ دی۔

"واقعی — اس وقت چائے کی ضرورت محسوس تو ہو رہی

ہے —"

"ضرور آپ تشریف رکھیں۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"تم چائے کے اتنے بھوکے کب سے ہو گئے۔" فرزانہ نے بھی تلملا کر کہا۔

"اسی وقت سے —" وہ مسکرایا۔

"ارے تو باہر چل کر پی لیتے — وہ کیا خیال کرے گا۔"

"یہ خیال کرے گا کہ اس کے مہمانوں نے اس کی بہت عزت کی۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"بعض اوقات تمھاری حرکتیں بہت تکلیف دہ ہو جاتی ہیں۔"

"ایسے لمحات میں تم دونوں کو چاہیے کہ میرا ساتھ چھوڑ دیا کرو۔" فاروق نے بھی جھلا کر کہا۔

"جی تو یہی چاہ رہا ہے۔"

"ارے تو چلے جاؤ نا — مجھے راستا آتا ہے — میں یہاں سے شوکی برادرز کے گھر پہنچ سکتا ہوں۔"

"اچھا یہ بات ہے — آؤ فرزانہ چلیں۔"

"یہ — یہ برا لگتا ہے۔"

"ہمیں کیوں لگے گا برا — چائے کی فرمائش اس نے کی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے فرزانہ کو بازو سے پکڑا اور کمرے سے

نکل گیا — فاروق نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہ کی — ان کے جانے کے بعد وہ ڈرائنگ روم کی چیزوں پر نظریں دوڑانے لگا — تمام چیزیں انتہائی قیمتی تھیں — شاید مسٹر گردھاری بہت مال دار تھے — مال دار کیوں نہ ہوتے — ہوٹل گلنار بہت کامیاب ہوٹل تھا — ڈرائنگ روم میں ان کی ایک بڑی تصویر بھی لگی تھی۔

جلد ہی قدموں کی چاپ ابھری — اور مسٹر گردھاری ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئے۔

"ہائیں — آپ کے ساتھی کہاں گئے؟"

"انہیں ذرا جلدی تھی۔"

"اوہ — خیر — لیجیے — چائے حاضر ہے۔"

"شکریہ — آپ نے گھر میں کوئی ملازم نہیں رکھا ہوا۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"رکھا ہوا ہے — دو تین کی چھٹی گیا ہوا ہے۔"

"اوہ اچھا۔"

چائے پی کر فاروق اٹھ کھڑا ہوا — باہر نکلا تو محمود اور فرزانہ کا کوئی پتا نہ تھا — چند لمحے وہ کھڑا سوچتا رہا کہ اب کیا کرے — آخر شوکی برادرز کے گھر کا رخ کیا — لیکن محمود اور فرزانہ وہاں بھی نہیں پہنچے تھے۔

"حیرت ہے — دونوں کہاں رہ گئے —" وہ بڑبڑایا — پھر خود

ہی بولا۔

"شاید وہ ہوٹل گلنار چلے گئے ہیں۔"

اب اس نے ہوٹل گلنار کے نمبر ملائے — لیکن محمود اور فرزانہ وہاں بھی نہیں تھے — اس نے سر کو جھٹکا دیا اور اپنے آپ سے بولا:

"کوئی بات نہیں — آ جائیں گے۔"

لیکن دو گھنٹے گزر جانے پر بھی دونوں نہیں آئے — اب تو فاروق پریشان ہو گیا —

"اوہو — کہیں — کہیں وہ بھی شوکی برادرز اور ابا جان کی طرح۔"

اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکا — اس کا دماغ بھائیں بھائیں کرنے لگا — اس وقت مشتاق احمد خان دفتر کی طرف آ نکلے — اسے تنہا دیکھ کر بولے:

"کیوں بھئی — محمود اور فرزانہ کہاں ہیں؟"

"جی — ان کا بھی کوئی پتا نہیں — شاید وہ بھی غائب ہو گئے —"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے اچھلے۔

"نہ جانے کیا ہو رہا ہے — جسے دیکھو — غائب ہوتا جا رہا ہے — لگ — کہیں — کہیں ہم — ہم بھی —" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"تو تم اپنے بارے میں بھی فکر مند ہو گئے۔"

"کک — کیا کروں — مجبوری ہے۔"

"مجبوری — کیسی مجبوری —" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا

"ان حالات میں حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے — ہمیں انسپکٹر کاشان صاحب سے بات کرنا چاہیے۔"

"وہ بے چارے بھی کیا کر سکیں گے — اس سارے معاملے میں ڈبرنگ کام کر رہا ہے۔"

"ڈبرنگ — ارے باپ رے — وہ تو بہت خوف ناک آدمی ہے —"

"سننے میں تو یہی آیا ہے — کیا آپ نے اسے دیکھا ہے کبھی؟"

"نہیں — اس کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا — شہر میں کبھی کبھار اس کا نام ضرور گونجتا سنائی دیا ہے۔"

"گویا اب مجھے اس ڈبرنگ کے بچے کو تلاش کرنا ہو گا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"ڈبرنگ کے بچے کو نہیں — ڈبرنگ کو۔" مشتاق احمد خان جلدی سے بولے۔

"جی بہتر — آپ کہتے ہیں تو اس کی تلاش میں نکل جاتا ہوں۔"

"تت — تنہا نکلو گے۔" وہ گھبرا گئے۔

"اب ساتھ رہ ہی کون گیا ہے — ویسے مجھے بھی چاچے نے

روک لیا — ورنہ میں بھی ان کے ساتھ ہی غائب ہو گیا تھا۔"

"چاچے نے روک لیا — کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

فاروق نے تفصیل سنا دی — اور پھر یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا:

"آپ میرے بعد دعا کیجیے گا — مجھے آج یوں محسوس ہو رہا ہے — جیسے پرانے زمانے کی کوئی کہانی دہرائی جا رہی ہو — یعنی ایک بادشاہ تھا — وہ بہت بیمار ہو گیا — حکیموں نے اس کا علاج کالا گلاب بتایا — کالا گلاب لینے کے لیے بادشاہ کے بیٹے باری باری گئے اور غائب ہوتے گئے — سب سے آخر میں چھوٹا شہزادہ گیا — سب کو آزاد بھی کرایا اور کالا گلاب بھی لے آیا —"

"ہمارے بچپن میں تو بھئی ایسی ہی کہانیاں ہوتی تھیں۔"

"ایک بات میں بہت دیر سے محسوس کر رہا ہوں۔" اچانک فاروق بولا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ — یہ کہ — یہ کہ —"

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا — مشتاق احمد خان حیرت زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے پھر وہ بلند آواز میں بولا:

"میں ہوٹل گلنار جا رہا ہوں — ابھی اور اسی وقت۔"

مُردہ خانے میں

یہ کہتے ہی فاروق تیزی سے اٹھا — اور مشتاق احمد خان کی طرف آیا:

"یہ — کیا کر رہے ہو بھئی —" وہ گھبرا گئے — فاروق نے منہ سے کوئی لفظ نہ کہا اور ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا — آنکھوں ہی آنکھوں میں اس نے کہا:

"بس خاموش رہیں — منہ سے کوئی بات نہ کہیں"

مشتاق احمد خان کی حیرت کا کیا پوچھنا — فاروق نے جلدی جلدی باہر جانے کی تیاری شروع کر دی — اس کی تیاریوں کو دیکھ کر وہ اور بھی حیران ہوئے — منہ سے کچھ نہ کہہ سکے — کہ فاروق نے پابندی لگا دی تھی — پھر فاروق پین سے کاغذ پر کچھ لکھ کر ان کی طرف بڑھا دیا — مشتاق احمد خان ان الفاظ کو پڑھنے لگے:

"انکل! ایسا معلوم ہوتا ہے — اس تمام کیس میں

ہم لوگوں کی تمام باتیں سنی جاتی رہی ہیں، اور اسی لیے مجرم جو چاہتے ہیں، کر گزرتے ہیں، لیکن اب میں انھیں اپنے کسی اقدام کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا — اسی لیے میں اب یہاں کوئی بات نہیں کروں گا — تاکہ وہ خیال کریں — کہ میں ہوٹل گلنار کی طرف روانہ ہو گیا ہوں"

مشتاق احمد خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — پھر انھوں نے سر ہلا دیا اور کاغذ پر لکھا:

"لیکن — سوال تو یہ ہے کہ باتیں کس طرح سُن لی جاتی ہیں"

"سائنس کا دور ہے — عجیب و غریب ایجادات ہو چکی ہیں — یہ اب کوئی ایسی مشکل بات نہیں رہی۔" فاروق نے لکھا۔

"تب پھر پہلے اس چیز کو تلاش کرنا چاہیے — جس کے ذریعے وہ گفتگو سُن رہے ہیں"

"ایسا کرنے سے وہ ہوشیار ہو جائیں گے — فی الحال اس چیز کو اسی جگہ رہنے دیں — کوئی حرج نہیں — میں اب جا رہا ہوں"

"لیکن کہاں — یہ بھی تو بتاتے جاؤ —" وہ بے چین ہو گئے۔

"ابھی میں کچھ نہیں بتا سکتا — بس آپ میرے لیے دُعا کریں —"

"اچھا — اللہ تمھیں کامیاب کرے"

"آمین!" فاروق نے دل میں کہا اور زینے کی طرف چلا گیا۔ جو
ہی وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ مشتاق احمد خان حیرت زدہ سے
اسے دیکھ رہے تھے۔ جیسے کہ رہے ہوں:

"یہ باہر جانے کا کون سا راستا ہے؟"

چھت پر پہنچ کر فاروق نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا۔
دونوں پڑوسیوں کی چھتوں پر اترا جا سکتا تھا۔ مکان کے پچھلی
جانب پانی کا پائپ بھی تھا۔ لیکن اس سے اترنے کی صورت
میں دیکھ لیے جانے کا ڈر تھا۔ چنانچہ وہ دائیں طرف والی
چھت پر اتر گیا۔ اس طرح کہ ہلکی سی آواز پیدا نہ ہو سکی۔ اس
چھت سے اس نے دوسری چھت کا جائزہ لیا، اس پر بھی
اترنے کے امکانات نظر آئے۔ جلد ہی وہ اس پر کھڑا تھا۔
لیکن اس کے آگے ایک اونچی دیوار تھی۔ گویا اسے اسی مکان
کے ذریعے باہر نکلنا تھا۔ زینہ خوش قسمتی سے کھلا نظر آیا۔
وہ دبے پاؤں اترتا چلا گیا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر اس نے
دیکھا۔ سامنے صحن تھا۔ صحن میں گھر کے افراد بیٹھے آپس میں
بات چیت کر رہے تھے۔ وہ آہستہ سے کھنکارا، لیکن گھر
کے افراد نہ چونکے۔ انھوں نے خیال کیا تھا کہ گھر کا ہی کوئی
فرد کھنکارا ہے۔ اب وہ زور سے کھنکارا۔ گھر کے افراد زور
سے چونکے۔ اور زینے کی طرف مڑے۔ پھر ان کی آنکھیں حیرت

اور خوف سے پھیل گئیں:

"چ چ۔ چور۔" ایک بچے کے منہ سے نکلا۔

"ارے باپ رے۔ خبردار۔ کون ہو تم۔"

"کم از کم چور نہیں ہوں۔" فاروق مسکرایا۔ "کیوں کہ اگر
چور ہوتا تو یوں کھنکار کر آپ کو اپنی طرف متوجہ نہ کرتا۔"

"تت۔ تو پھر۔ پھر یہ ڈاکو ہوں گے۔" بچے نے
کانپ کر کہا۔

"نہیں۔ میں نہ چور ہوں نہ ڈاکو۔ آپ کے پڑوس میں
شوکی برادرز رہتے ہیں۔"

"ہاں ہاں! بالکل رہتے ہیں۔" ایک مرد نے جلدی جلدی
کہا۔

"میں ان کے گھر میں مہمان ہوں۔ گھر سے باہر جانا
چاہتا تھا، لیکن اس گھر پر کچھ دشمنوں نے نظریں جمائی
ہوئی ہیں۔ اس لیے۔ میں نے چھتوں کا راستا اختیار کیا۔
امید ہے آپ محسوس نہیں کریں گے۔"

"چلیے نہیں کرتے۔ لیکن یہاں سے بھی دروازے کے
راستے باہر نکلنا خطرناک ہو گا۔ کیوں کہ آپ کو گزرنا تو پھر
بھی شوکی کے گھر کے سامنے سے پڑے گا۔"

"تو پھر۔" فاروق بولا۔

"آئیے — ہمارے گھر کے پچھلی طرف ایک گلی ہے — گلی میں گھر کی کھڑکی کھلتی ہے — وہ گلی آپ کو دوسری سڑک پر پہنچا دے گی۔"

"بھئی واہ — یہ ہوئی نا بات —" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ابو — کک — کہیں یہ ہمیں چکر تو نہیں دے رہے؟" بچے کی آنکھوں میں شدید الجھن تھی۔

"بھیا — آپ شاید جاسوسی کہانیاں بہت پڑھتے ہیں؟" فاروق مسکرا کر بولا۔

"یہ بات تو درست ہے — بہت منع کرتی ہوں میں انھیں —" ایک عورت نے کہا — شاید وہ بچوں کی ماں تھی۔

"منع تو نہ کریں — ہاں! انھیں چاہیے کہ فارغ اوقات میں پڑھیں۔"

اور فاروق کھڑکی کے راستے گلی میں اتر گیا — اترتے وقت اس نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا اور رخصتی انداز میں ہاتھ بھی ہلائے —

جلد ہی وہ انسپکٹر کاشان کے سامنے بیٹھا تھا — اور وہ بھی اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا —

"کیا معاملہ ہے — تم اکیلے نظر آ رہے ہو؟"

"بس یوں سمجھ لیں — اکیلا رہ گیا ہوں۔"

"کیوں کیوں —"

"ان لوگوں کا کوئی پتا نہیں — اور اب تفتیش کی گاڑی مجھے اکیلے کو کھینچنا ہو گی۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں — میں تمھارا ساتھ دوں گا۔"

"شکریہ — اسی لیے تو یہاں حاضر ہوا ہوں — پہلے صورت حال سن لیں — میں یہ اندازہ لگا چکا ہوں کہ شوکی برادرز کی اور ہم لوگوں کی تمام باتیں مجرم سنتے رہے ہیں — اور شاید ایسا وہ اس گھڑی نما آلے کے ذریعے سے کرتے ہیں — یہی وجہ ہے کہ ہم ہر بار ناکام ہوتے رہے اور ہمارے ساتھی غائب ہوتے چلے گئے — لیکن اب میں اس پہلو کو سامنے رکھ کر کام کروں گا — سب سے پہلے میں اجمل گگو کی لاش کو دیکھنا چاہتا ہوں — اُمید ہے — ابھی تک اس کی لاش کو دفنایا نہ گیا ہو —"

"ہاں! لاش مردہ خانے میں موجود ہے — آؤ چلیں۔"

"کیمرہ بھی ساتھ لیں — میں اس کی چند تصاویر بھی لوں گا۔"

"اوہ اچھا۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

جیپ میں بیٹھتے ہوئے انسپکٹر کاشان نے کہا:

"آخر تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

"اجمل گوگو کے قتل کا تعلق ضرور اس کہانی سے ہے۔ اور میں اس کے ماضی میں پہنچنا چاہتا ہوں۔ جب تک ہمیں اس کا ماضی معلوم نہیں ہو جاتا۔ شاید ہم کچھ نہیں جان سکیں گے۔"

"ہوں۔ بات دل کو لگتی ہے۔"

مردہ خانے میں فاروق نے اجمل گوگو کے چہرے کو بغور دیکھا، نہ جانے کیوں۔ اس نے شدید قسم کی الجھن محسوس کی۔ پھر تصاویر لیں اور باہر نکل آئے۔

"انکل۔ میں شدید الجھن محسوس کر رہا ہوں۔" فاروق بولا۔

"کیوں۔ خیر تو ہے۔"

"ابھی مجھے خود بھی معلوم نہیں۔ کہ الجھن کیوں محسوس کر رہا ہوں۔"

"اللہ اپنا رحم کرے۔ تم تو مجھے بھی الجھائے دے رہے ہیں۔"

"ابھی مجھے آپ سے ایک کام اور بھی لینا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کاموں کی کوئی پروا نہیں۔ جتنے جی چاہے لو۔ لیکن ساتھ ساتھ الجھن دفع کرتے جاؤ۔"

جب تک خود میری الجھن دور نہیں ہو جاتی۔ میں آپ کی کس طرح کر سکتا ہوں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"خیر۔ کام بتاؤ۔"

"پہلے پولیس اسٹیشن چلیے۔"

پولیس اسٹیشن پہنچ کر فاروق نے ان سے کہا:

"آپ کے علم میں کوئی ایسا شخص ہے۔ جو ایک بار کوئی تصویر دیکھ لینے کے بعد پھر اسے کبھی نہ بھولتا ہو؟"

"جرائم کے سلسلے میں ایسے آدمیوں کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، لہذا میں ایک ایسے آدمی سے واقف ہوں۔" انسپکٹر کاشان نے مسکرا کر کہا۔

"بہت خوب۔ تب تو مزا آگیا۔ انھیں جلدی بلوائیں۔"

انسپکٹر کاشان نے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ اور نمبر ڈائل کرنے لگے۔ پھر ریسیور رکھ کر اس نے کہا:

"وہ صاحب صرف آدھ گھنٹے میں یہاں ہوں گے۔"

"آدھ گھنٹا۔ یہ تو بہت وقت ہے اور میں اس آدھ گھنٹے میں کچھ کام کر سکتا ہوں۔ آپ ہوٹل گلنار کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

"اس کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ اس کے مالک کے خلاف اگرچہ آج تک کوئی کیس نہیں تھا۔ نہ پولیس کبھی کچھ

ثابت کر سکی — لیکن عام خیال ہے کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔"

"آخر اس خیال کی بنیاد بھی تو کوئی ہو گی۔" فاروق نے کہا۔

"نیک آدمی کی نیکی لاکھ چھپانے پر بھی چھپی نہیں رہتی اور اسی طرح اگر کوئی آدمی بُرا ہو تو اس کی برائی بھی چھپی نہیں رہتی — چاہے وہ کتنا ہی چھپائے۔"

"ہوں! اس کا مطلب ہے — اس کے بارے میں لوگوں کی رائے بُری ہے۔" فاروق نے کہا۔

"بالکل ٹھیک —"

"اچھا انکل — آپ ایک بات خاص طور پہ نوٹ کر لیں، اور وہ یہ کہ ہو سکتا ہے — میں بھی غائب ہو جاؤں — اس صورت میں آپ ہوٹل گلنار کے مالک کا پیچھا نہ چھوڑیے گا — چاہے اس کا ان تمام معاملات سے دور کا بھی تعلق نظر نہ آئے — اور یہ میں اس وہم سے کہہ رہا ہوں کہ —" وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

"ہاں ہاں کہو —" وہ بے چین ہو گئے۔

"اجمل گنڈ کا تعلق ہوٹل گلنار میں ہوا ہے — ہم نہیں جانتے اجمل گنڈ کو سرائے سے ہوٹل گلنار جانے کا — ارے —" وہ اچھل پڑا — پھر جلدی سے بولا:

"انکل — آپ ان صاحب کو ذرا روک لیجیے گا — میں اس سرائے تک جانا چاہتا ہوں — جس میں اجمل گنڈ نے ایک آدھ دن گزارا تھا۔"

"لیکن کیسے — ہمیں اس سرائے کا پتا کب ہے۔" انسپکٹر کاشان نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کیا مشکل ہے انکل — اس شہر میں سرائے ہوں گی کتنی —"

"آٹھ نو سے کم تو نہیں ہوں گی۔"

"تو بس پھر — آٹھ نو سراؤں کے رجسٹر دیکھنا کیا مشکل ہے؟"

"اوہ!" انسپکٹر کاشان کے منہ سے نکلا — پھر انھوں نے جلدی سے کہا:

"تب پھر میں بھی ساتھ چلتا ہوں — اس طرح آسانی رہے گی۔"

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے —" فاروق خوش ہو گیا — پھر اس نے کہا:

"لیکن اس کا کیا بنے گا — جو یہاں پہنچنے والا ہے؟"

"فکر نہ کرو — وہ ہماری واپسی تک یہیں ٹھہرا رہے گا۔"

دونوں سراؤں کی خاک چھاننے کے لیے نکل کھڑے

ہوئے — آخر پانچویں سرائے کے رجسٹر میں انھیں اجل گگو کا نام نظر آ گیا —

"کمال ہے — یہ خیال مجھے نہیں آیا تھا" انسپکٹر کاشان نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں انکل۔" اس نے کہا اور سرائے کے مالک کی طرف مڑا — وہ ایک موٹے جسم کا کالا سا آدمی تھا؛

"کیوں جناب — ان صاحب کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں آپ؟"

"کک — کن صاحب کے بارے میں —" اس نے لڑکھڑائی آواز میں کہا — انسپکٹر کاشان کی وردی دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"اجل گگو —"

"اج — مل — گگو۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں؛ یہ صاحب — آپ کی سرائے میں آ کر ٹھہرے تھے۔"

"جی ہاں — یاد آ گیا — لیکن یہ تو جا چکے ہیں۔"

"انھیں کون سا کمرہ دیا گیا تھا۔"

"کمرہ نمبر ۱۱۔"

"کیا کمرہ نمبر گیارہ ان کے چلے جانے کے بعد پھر کسی کو دیا گیا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"دیکھ کر بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے رجسٹر اپنی طرف کھ

یا اور جلدی جلدی نظر ڈالنے لگا، پھر نفی میں سر ہلا کر اس نے کہا؛

"نہیں جناب — کمرہ ابھی تک کسی کو نہیں دیا گیا۔"

"بہت خوب — ہم اس کمرے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"آئیے —" وہ بولا۔

کمرہ نمبر گیارہ کا تالا کھول کر وہ اندر داخل ہوئے — اندر
کچھ بھی نہیں تھا — ایسے میں فاروق کی نظریں اچانک سرائے کے
مالک کی طرف اٹھ گئیں — اس کے بدن میں ہلکی سی تھرتھراہٹ
اس نے محسوس کی — اس کے منہ سے نکلا:

"اچھا جناب — یہ بتائیں — آپ نے اسے ہوٹل گلنار جانے
کا مشورہ کیوں دیا تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے اچھلا۔

"آپ نے اس سے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ سرائے چھوڑ کر
ہوٹل گلنار چلا جائے۔"

"مم — میں نے — نہیں تو — وہ تو خود سرائے چھوڑ کر جا رہا تھا،
ہاں میں نے یہ ضرور کہا تھا کہ ہوٹل گلنار چلے جاؤ۔"

"انکل — ان حضرت کو پولیس سٹیشن لے جانا پڑے گا — کمرۂ
استحان میں —"

"اچھی بات ہے — چلو بھئی —" انسپکٹر کاشان نے فوراً

"یہ ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔ میرا بھلا اس معاملے میں کیا تعلق؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کس معاملے سے ۔ ہم نے تمہیں ابھی تک معاملہ کون سا بتایا ہے۔" فاروق تیز آواز میں کہا۔

اور اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے فاروق ۔ اسے پولیس اسٹیشن لے جانا ہو گا ۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کر دیا۔

"ن ۔ نہیں ۔ نہیں ۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے ۔ کسی نامعلوم آدمی نے فون پر دھمکی دی تھی۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"دھمکی دی تھی۔" انسپکٹر کاشان نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں ۔ اس نے کہا تھا کہ اس مسافر کو مشورہ دو کہ ہوٹل گلنار اس کے لیے محفوظ ترین جگہ ہے ۔"

"اور پھر ۔ یہ سن کر وہ چلا گیا۔"

"ہاں ! اس بات پر مجھے بہت حیرت ہوئی تھی ۔ لیکن مجھے کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔"

"اگر تم فون پر اس کی آواز پھر سنو تو کیا بتا سکو گے، آواز وہی ہے۔"

"ضرور کیوں نہیں ۔ وہ عجیب بھاری بھرکم سی آواز تھی۔"

"بہت خوب ۔ ہم وہ آواز فون پر سنانے کے لیے پھر آئیں

گے ۔ یاد رہے ۔" فاروق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اچھی بات ہے۔" وہ قدرے پرسکون ہو کر بولا۔

"یہ بھی سن لو ۔۔۔ کہ تم فرار ہونے کی کوشش نہیں کرو گے ۔ اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم اس جرم میں شریک ہو۔"

"یا اللہ رحم۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"آیئے انکل ۔ اب چلیں ۔ آپ کے وہ صاحب اب تک آ چکا ہوں گے۔"

"اوہ ہاں !"

دونوں پولیس اسٹیشن پہنچے ۔

"سر ۔ قدوائی صاحب ۔ پندرہ منٹ سے آئے بیٹھے ہیں۔"

"بہت خوب۔" انھوں نے کہا

اس کے دفتر میں ایک خوش شکل آدمی بے چینی کے عالم میں بیٹھا تھا۔

"آپ نے مجھے یاد کیا تھا۔" وہ بولا۔

"ہاں ! ایک اہم معاملہ ہے ۔ فاروق صاحب آپ کو بتائیں گے ۔ یہ انسپکٹر جمشید کے بیٹے ہیں۔"

"اوہو اچھا !" اس کے لہجے میں حیرت تھی ۔ پھر وہ فاروق کی طرف ٹکر ٹکر دیکھنے لگا۔

"میں آپ کو ایک مردہ آدمی کی تصویر دکھانا چاہتا ہوں ـ اور جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے اسے کہاں دیکھا تھا۔"

"لایئے ـ یہ کیا مشکل ہے۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

فاروق نے مردہ اجمل گنڈ کی تصاویر اس کے سامنے پھیلا دیں۔ نصف منٹ تک قدوائی ان پر نظریں جمائے بیٹھا رہا ـ پھر اچانک اس کا چہرہ چمک اٹھا ـ اور اس نے کہا:

"میں نے اس شخص کو تو نہیں ـ البتہ اس کے باپ دادا کو ضرور دیکھا تھا ـ لیکن افسوس ـ نہ اب باپ موجود ہے نہ بیٹا ـ دونوں مر چکے ہیں۔"

"وہ ـ وہ کون تھے۔"

"ریاست کماچل کے والی ـ یہ ریاست شمالی پہاڑوں کے اس طرف ہے ـ ایک بالکل آزاد ریاست ـ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں ـ یہ شخص اس ریاست کا والی ہے۔"

فاروق اور انسپکٹر کاشان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا تھا ـ اُن کی آنکھیں پوری طرح پھیل گئی تھیں، اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔

خوش آمدید

دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے، پھر فاروق نے قدوائی سے کہا:

"کیا آپ یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں؟"

"میں تو آپ کو یہی یقین دلا سکتا ہوں ـ مجھے وہ تاریخیں یاد ہیں ـ جب اس بچے کا باپ فوت ہوا تھا ـ تو اس کے اور اس کے والد کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہو گی۔"

اس نے تاریخ بتا دی ـ انسپکٹر کاشان نے فوراً ایک آدمی اخبار کے دفتر کی طرف دوڑا دیا ـ آدھ گھنٹہ بعد وہ چند اخبارات اٹھائے دفتر پہنچا ـ انھوں نے بے چینی کے عالم میں اخبارات پھیلا دیے ـ پہلے صفحے پر ہی سرخی درج تھی ـ

"ریاست کماچل کے والی چل بسے۔"

نیچے تفصیل کچھ اس طرح تھی:

"ریاست کماچل کے جوان والی اچانک دل کا دورہ پڑنے پر انتقال کر گئے — ان کے والد بھی ایک سال پہلے اسی طرح اچانک دل کا دورہ پڑنے پر انتقال کر گئے تھے — مرحوم نے ایک بیوہ اور ایک بیٹا چھوڑا ہے — جو ریاست میں ہی ہیں — بیٹا ابھی صرف ایک سال کا ہے۔"

خبر پڑھ کر انھوں نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اجل گڈو کی شکل صورت بالکل اپنے باپ دادا کی شکل صورت جیسی تھی، اور اسی وجہ سے قدوائی نے فوراً یہ بات کہ دی تھی — خبر قریباً بیس سال پرانی تھی:

"بہت بہت شکریہ قدوائی صاحب — آپ نے ہمارا ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

قدوائی اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا اور اٹھتے ہوئے بولا:

"ٹھیک ہے جناب — میرے لائق جب بھی کوئی خدمت ہو — آپ مجھے یاد کر سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ —" انسپکٹر کاشان نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

اور وہ رخصت ہو گیا۔

"تو اجل گڈو ریاست کماچل کا ولی عہد ہے — لیکن — وہ تو اس شہر کے جنگل میں — ایک جھونپڑی میں پلا اور بڑھا تھا۔" انسپکٹر کاشان نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"اب میں کیا کہ سکتا ہوں — ویسے ہمیں کسی بین الاقوامی حالات کے ماہر سے ملاقات کرنا ہو گی — ہم اس ریاست کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"اور شاید آپ یہ سن کر حیران ہوں کہ شوکی کے انکل فارانی اس قسم کے معاملات کے ماہر ہیں۔"

"اوہ — تو پھر اٹھیے۔"

دونوں آندھی اور طوفان کی رفتار سے چلتے کرنل فارانی کی کوٹھی پہنچے — کرنل فارانی نے انھیں دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں:

"میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"جی — کیا نہیں سمجھے — ہم تو خود آپ سے کچھ سمجھنے آئے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"وہ بعد کی بات ہے — سوال یہ ہے کہ فاروق اور انسپکٹر کاشان کا ایک ساتھ نظر آنا — کچھ عجیب سی بات ہے —"

"اوہ تو یہ بات ہے — خیر بیٹھیے انکل۔"

اور فاروق نے ساری تفصیل سنا دی — پھر بولا:

"اور اب ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ — آپ سے ریاست کماچل کے بارے میں معلوم کریں۔"

"بیس سال پہلے — ریاست کے نوجوان والی کا اچانک انتقال ہو گیا تھا — اس سے ایک سال پہلے — اس کا باپ بھی اس طرح مرا تھا — عجیب بات صرف یہ ہے کہ اسی رات مرنے والے والی کی نوجوان بیوی اپنے ایک سالہ بیٹے کو لے کر محل سے غائب ہو گئی تھی — اس کا آج تک پتا نہیں چل سکا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"معاملات اب صاف ہوتے جا رہے ہیں — شاید ریاست کے دونوں والی قدرتی موت نہیں مرے تھے — بلکہ انہیں پراسرار انداز میں قتل کیا گیا تھا — نوجوان والی کی بیوہ نے یہ چیز بھانپ لی ہو گی، اور اسے اپنی اور اپنے ایک سالہ بیٹے کی زندگی خطرے میں محسوس ہوئی ہو گی، لہذا وہ رات کے وقت وہاں سے نکل بھاگی — اور یہاں جنگل میں ڈیرہ جما لیا — اس نے بیٹے کو کبھی یہ نہ بتایا کہ وہ کون ہے — کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اجمل گڈو کو اپنے بارے میں کچھ معلوم نہیں

تھا — لیکن — انکل — اس — ریاست میں اب کون والی ہے؟"

"افسوس! یہ ایک بہت دکھ بھری کہانی ہے۔" کرنل فارانی دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

"جی — کیا مطلب — ہم سمجھے نہیں۔"

"مرنے والے والی کا چھوٹا بھائی والی بن گیا تھا — لیکن جلد ہی اس نے ریاست پڑوسی ملک کو بیچ دی اور خود غائب ہو گیا۔"

"غائب ہو گیا۔"

"ہاں! ریاست فروخت کر کے وہ غیر ملکی دورہ پر نکل گیا تھا، اس کے بعد سے آج تک اس کے بارے میں کچھ سننے میں نہیں آیا — البتہ ریاست بک جانے سے ہمارے ملک کو بہت نقصان ہوا ہے۔"

"اوہ — وہ کیا؟"

"اب ہمارا دشمن ملک ہماری عین سرحد پر موجود ہے — اور آئے دن اس سرحد پر سے ہماری سرحدوں پر فضائی حملے ہوتے رہتے ہیں۔"

"ہوں —" ان کے منہ سے نکلا — دونوں گہری سوچ میں گم ہو چکے تھے — کافی دیر بعد فاروق نے سر اٹھایا:

"ریاست کا معاملہ تو ختم ہو گیا تھا — سوال یہ ہے کہ

کسی کو اجمل گٹو کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی — گگ — کہیں ایسا تو نہیں — کہ اجمل گٹو کا چچا غیر ملک کے دورے کے بعد یہاں آگیا ہو اور اس نے یہیں رہنا شروع کر دیا ہو اور کسی روز اس نے اجمل گٹو کو دیکھ لیا ہو — اسے اس سے خطرہ محسوس ہوا ہو کہ کہیں اس کی والدہ نے اسے راز نہ بتا رکھا ہو — خطرہ محسوس کر کے اس نے اسے بھی ختم کر دیا۔"

"اس کے سوا اور کہا بھی کیا جا سکتا ہے۔" کرنل فارانی بولے۔

"تب پھر — اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اجمل گٹو کے چچا کو تلاش کرنا ہے اور اس کے چچا کی شکل صورت بھی ضرور اس سے ملتی جلتی ہو گی — کیوں کہ اجمل گٹو کی شکل اپنے باپ اور دادا سے حد درجے ملتی ہے — اور دوسرے ہمیں ڈبرنگ سے بھی ٹکرانا ہو گا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"کافی خطرناک پروگرام ہے۔" انسپکٹر کاشان بڑبڑائے۔

"اور مجھے ایک عدد حیرت بھی ہے — یہ کہ ابا جان وغیرہ اب تک ڈبرنگ کی قید میں کیوں ہیں — وہ تو اچھے اچھوں کی قید سے نکل آتے ہیں — کیا اس مرتبہ محمود کا چاقو بھی فیل ہو گیا ہے۔"

"یہ تو ان سے ملاقات ہونے پر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔"

"خیر — میں چاہتا ہوں — ہم ایک چکر ہوٹل گلنار کا لگا لیں اور دوسرا چکر مسٹر گردھاری کے گھر کا بھی — کیوں کہ — یہ شخص بھی مجھے کافی پراسرار لگتا ہے۔"

"ہم تیار ہیں۔" کرنل فارانی بولے۔

"خواہش تو میری یہ تھی کہ میں بالکل تنہا اس مہم پر نکلتا — لیکن اگر آپ تیار ہیں تو میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔"

"مقابلہ ڈبرنگ سے ہے — اب ہم یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اجمل گٹو کے چچا نے ڈبرنگ کے ذریعے ہی اسے قتل کرایا ہے — اور اس کے بعد بھی وہ ڈبرنگ سے کام لیتا رہا ہے تاکہ کسی طرح وہ خود شک سے محفوظ رہے۔"

"ہاں! واقعی — یہی بات ہے۔"

تینوں ہوٹل گلنار پہنچے — لیکن روانہ ہونے سے پہلے انھوں نے اپنے حلیے میں قدرے تبدیلی کر لی تھی — ایک میز کاؤنٹر سے کافی فاصلے پر انھیں خالی نظر آ گئی — ان کے قدم اس طرف اٹھتے چلے گئے۔

"کیا ہم یہاں بیٹھنے کے لیے آئے ہیں۔" کرنل فارانی نے منہ بنا کر کہا۔

"نہیں انکل — لیکن پہلے ذرا تیل دیکھ لیں، تیل کی دھار دیکھ لیں۔" فاروق مسکرایا۔

بیرا اس کی طرف بڑھا، انھوں نے الٹا سیدھا آرڈر دیا اور پھر وہ کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

"انکل — آپ ذرا کاؤنٹر پر جائیں — اور کلرک سے کہیں — مجھے ہوٹل کے مالک سے ملنا ہے۔"

"اور اگر وہ اس کے کمرے کے بارے میں بتا دے تو؟"

"تو آپ کمرے کی طرف چل پڑیں — ہم آپ کے پیچھے آئیں گے۔"

کرنل فارانی ابھی اٹھے ہی تھے کہ ہوٹل میں ایک عجیب حلیے کا آدمی داخل ہوا — اس کو دیکھ کر کاؤنٹر پر موجود لوگ سہم گئے — اچانک اس کی دھاڑ گونجی:

"مسٹر گردھاری کہاں ہیں۔"

"ج — جی — وہ — وہ اپنے کمرے میں ہیں۔"

"ان سے کہو — مجھ سے باہر آ کر بات کرے۔" وہ چلایا۔

"آپ — اندر ہی چلے جائیے نا۔" کلرک نے کانپتی آواز میں کہا۔

"نہیں — آج انھیں باہر آنا ہو گا۔"

"بہت بہتر — میں ابھی انھیں اطلاع کرتا ہوں۔" کلرک نے یہ کہہ کر ریسیور اٹھایا اور بولا:

"ہیلو سر — ہال میں مسٹر شامر موجود ہیں — جی — جی نہیں —

وہ کہہ رہے ہیں — آپ یہیں آ کر بات کریں — جی اچھا۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا — اور بولا،

"آپ تشریف رکھیے — وہ آ رہے ہیں۔"

"تشریف کی ایسی کی تیسی۔" اس نے بھنا کر کہا۔

ہال میں موجود تمام لوگ اب اس شخص کی طرف متوجہ ہو گئے تھے — اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی — اور گردھاری آتا نظر آیا — لیکن اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار بالکل نہیں تھے۔

"آئیے مسٹر گردھاری — آپ کے دوست نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"

"کک — کیوں —" وہ ہکلایا۔

"مجھے نہیں معلوم —"

"خیر — تم چلو — میں ایک گھنٹے بعد آؤں گا۔" گردھاری نے کہا۔

"جی نہیں — ان کا حکم ہے — آپ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچوں۔"

"ایسی کیا بات ہو گئی۔"

"کوئی بات ہوئی ہے یا نہیں — مجھے معلوم نہیں۔"

"ٹھیک ہے — چلیے —" اس نے کہا — دونوں ہال کے دروازے کی طرف قدم اٹھانے لگے —

"اب ہم یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔" فاروق نے کہا۔

بل کی رقم انھوں نے میز پر پٹخی اور باہر کی طرف لپکے، وہ یہاں جیپ کی بجائے کرنل فارانی کی کار میں آئے تھے — پولیس جیپ نظروں میں آ سکتی تھی۔

"شاید معرکہ شروع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔" انسپکٹر کاشان بولے۔

"اور میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔" فاروق منمنایا۔

"وہ کیا۔" کرنل فارانی بولے۔

"کہیں — ان لوگوں کو ہماری یہاں موجودگی کا علم نہ ہو گیا ہو، اور انھوں نے یہ چکر اس لیے نہ چلایا ہو کہ ہم بھی تعاقب کرتے ہوئے وہیں پہنچ جائیں — جہاں ہمارے ساتھی پہنچ چکے ہیں — یہ بات ڈبرنگ بھی جانتا ہے کہ میں ابھی آزاد پھر رہا ہوں، اور پھر شوکی کے گھر سے میں جس انداز سے غائب ہوا، اس نے بھی ڈبرنگ کو چونکایا ہو گا — میرا خیال یہ تھا کہ انکل کاشان کے پولیس اسٹیشن میں ایسی کوئی گھڑی موجود نہیں ہے، لیکن اب میں محسوس کر رہا ہوں — کہ تلاشی نہ لے کر ہم نے غلطی کی تھی۔"

"اوہ — اوہ —" انسپکٹر کاشان کے منہ سے نکلا۔

"خیر کوئی بات نہیں — ہم بھی ان کی چال کا جواب چال

سے دیں گے۔" فاروق نے کہا۔

باہر نکل کر انھوں نے دیکھا — ایک نیلی کار میں دونوں بیٹھ چکے تھے — اسی وقت کار روانہ ہو گئی —

"وہ ہمیں نکلتے ہوئے دیکھ چکے ہیں —" فاروق بڑبڑایا — پھر جلدی سے بولا۔

"ہمیں فوراً اپنی کار میں سوار ہو جانا چاہیے — تاکہ وہ یہ شک نہ کریں کہ ہم ان کی چال کو بھانپ چکے ہیں۔"

اور وہ تیزی سے کار کی طرف بڑھے — کار کی اوٹ لیتے ہی فاروق نے کہا:

"میں سوار نہیں ہوں گا — میں کچھ فاصلے پر ٹیکسی میں آؤں گا۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

کرنل فارانی کی کار نیلی کار کے تعاقب میں روانہ ہو گئی، فاروق پہلے ہی ایک ٹیکسی کو ہوٹل کے پاس کھڑے ہوئے دیکھ چکا تھا — اس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں آیا —

"اوہ — اوہ —" وہ زور سے چونکا — اور پھر وہ پارک میں کھڑی ایک کار کے دروازے پر جھک گیا — جیب سے مڑا تڑا تار نکالا اور چند سیکنڈ بعد ہی وہ تالا کھول چکا تھا — دوسرے ہی

لمحے وہ کار میں بیٹھ گیا — انجن کی چابی اندر ہی موجود تھی — اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — کار سٹارٹ کی اور نیلی کار کے تعاقب میں روانہ ہو گیا — بیک ویو آئینے میں وہ برابر اس ٹیکسی کو دیکھ رہا تھا — اچانک ٹیکسی حرکت میں آئی اور اس کے پیچھے آنے لگی — اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگنے لگی — ٹیکسی کا انتظام بھی ڈبرنگ کی طرف سے ہی تھا — تاکہ اگر اسے شبہ ہو جائے — اور وہ کار کے تعاقب کے لیے روانہ ہو — تم بھی انہی کی گاڑی میں بیٹھے —

اب سوال تھا — ٹیکسی ڈرائیور سے پیچھا چھڑانے کا — عارضی طور پر پیچھا چھڑانے کا تو کوئی فائدہ تھا نہیں — کیوں کہ جہاں جانا تھا، اس جگہ کا ڈرائیور کو علم تھا — پیچھے رہ کر بھی وہ وہاں پہنچ سکتا تھا — اس لیے اس کا تو کوئی مستقل علاج کرنا ضروری تھا — ٹیکسی کو روک کر یا اس سے اتر کر وہ یہ کام کر نہیں سکتا تھا، اس لیے کہ پھر کرنل فارانی کی کار نظروں سے اوجھل ہو جاتی — اس نے اپنے ذہن کو تیزی سے گردش دی — کار بھی کسی دوسرے کی چرا لایا تھا، لیکن اب کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا — آخر اس نے کار کی رفتار یک دم کم کر دی — ٹیکسی نزدیک آ گئی — اس کے ڈرائیور نے بھی رفتار کم کر دی، لیکن اس قدر بھی کم نہیں کر سکتا تھا — اسے فاروق سے آگے

نکلنا پڑا — جونہی وہ اس کے ساتھ سے گزرا — فاروق نے یک دم سائڈ مار دی — ٹیکسی ڈرائیور کے شاید وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ فاروق یہ کام دکھا دے گا — اس نے ٹیکسی کو سڑک کے کنارے کی طرف کاٹا — لیکن ٹیکسی الٹ ہی گئی — فاروق نے یک دم بریک لگائے اور چلایا:

"ارے ارے — یہ کیا بھئی — ٹھہریے — میں مدد کو آتا ہوں"

اتنا کہہ کر وہ اس کی طرف دوڑا — ڈرائیور الٹی ہوئی ٹیکسی سے نکلنے کی کوشش میں مصروف تھا کہ فاروق اس کے سر پر پہنچ گیا — اس نے ایک بھرپور ٹھوکر اس کے سر پر رسید کر دی — لیکن اس کے خیال میں ایک ٹھوکر کافی نہیں تھی — اس نے دو ٹھوکریں اور رسید کیں — اب اس کے خیال کے مطابق — دو تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا — اب وہ واپس کار کی طرف بھاگا، دوسرے ہی لمحے کار میں بیٹھا اڑا جا رہا تھا — کرنل فارانی کی کار اگرچہ اسے نظر نہیں آ رہی تھی — لیکن پھر بھی اسے امید تھی کہ جلد ہی وہ اسے نظر آنے لگے گی — کیوں کہ اس نے ڈرائیور سے پیچھا چھڑانے میں زیادہ وقت صرف نہیں کیا تھا، اور پھر ہوا بھی یہی — کرنل فارانی کی کار اسے دکھائی دینے لگی — وہ بدستور نیلی کار کا تعاقب کر رہے تھے، اور پھر اس نے محسوس کیا — وہ شہر سے نکل کر جنگل میں داخل ہو چکے ہیں —

اچانک اگلی کار سڑک سے اتر کر درختوں کے درمیان چلنے لگی — کچھ دیر بعد کرنل فارانی بھی سڑک سے اتر گئے — فاروق نے کار سڑک کے کنارے روک لی — اور کار سے اتر کر درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھنے لگا — اب اس کا دل دھڑک رہا تھا — وہ اس قدر آسانی سے ڈبرنگ کے اڈے تک پہنچ جائے گا — اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا — لیکن نہیں — وہ خود کب پہنچا تھا — یہ تو ڈبرنگ کے آدمی اسے یہاں تک لے آئے تھے — اگلی کار پندرہ منٹ تک چلتی رہی — یہاں تک کہ وہ سڑک سے بہت دور نکل آئے — اب انھوں نے اس عمارت کو دیکھا — عمارت کیا تھی — ایک چھوٹا سا قلعہ تھی — اس کی فصیل پر مسلح پہرے دار ٹہل رہے تھے — دو کاروں کو عمارت کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ سیدھے ہو گئے — اچانک ایک آواز ابھری:

"خبردار! جہاں ہو، وہیں رک جاؤ — پہلے اپنی شناخت کراؤ۔"

"احمق انسان — یہ میں ہوں۔" فاروق نے شاہر کی آواز سنی۔

"اوہ مسٹر شاہر — یہ آپ ہیں — تو کیا آپ مسٹر گمدھاری کو لے آئے ہیں۔"

"ہاں! بالکل — اگر لے نہ آتا تو — یہاں کیوں نظر آتا۔"

"بہت خوب — میں عمارت کا دروازہ کھلواتا ہوں — کیا آپ کو یقین ہے — آپ کا تعاقب نہیں کیا گیا۔"

"میں یقین سے تو خیر نہیں کہہ سکتا — ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں۔"

"کتنا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

عین اسی وقت ایک آواز ابھری:

"خبردار — تم دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

فاروق نے دیکھا — دس کے قریب آدمی اچانک درختوں کے پیچھے سے نکل کر کرنل فارانی اور انسپکٹر کاشان کے پیچھے نمودار ہوئے تھے اور ان کی رائفلیں دونوں کی کمروں سے لگ گئی تھیں — فاروق نے انھیں ہاتھ اٹھاتے دیکھا — اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی — اگر وہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوتا تو اس وقت تک وہ بھی ہاتھ اٹھا چکا ہوتا۔

"ارے — مگر — ان کے ساتھ تو وہ نہیں ہے — جس کے لیے یہ سارا چکر چلایا گیا ہے۔" ایک آواز ابھری۔

"کوئی پروا نہیں — وہ بھی آتا ہو گا — ڈرائیور جوزی اسے یہاں تک لائے گا۔"

"بہت خوب مسٹر ڈبرنگ — آپ کا بھی کوئی جواب نہیں۔"

"جواب ہوتا تو اس وقت ان کے اتنے ساتھی میری قید میں نہ ہوتے۔"

"جی ہاں! واقعی یہ بات ہے۔" کسی نے کہا۔

"انھیں میرے ساتھ لے آؤ — ان کے قیدی ساتھیوں کو بھی

لے آؤ — ذرا یہ بھی تو ان کا حشر دیکھ لیں۔" ڈبرنگ کی چہکتی آواز
سنائی دی — فاروق نے اپنے جسم میں کپکپی سی محسوس کی — نہ
جانے ڈبرنگ نے ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا —

"ہر آدمی اپنی اپنی ڈیوٹی پر موجود رہے گا — جونہی فاروق
کو لایا جائے — اندر پہنچا دیا جائے۔" ڈبرنگ کی گونج دار آواز
سنائی دی۔

"او کے مسٹر ڈبرنگ —" فصیل پر سے کسی نے کہا۔

"چلو — آگے بڑھو —" ان دس میں سے ایک نے غرا کر کہا۔
جو کرنل فارانی اور انسپکٹر کاشان کے پیچھے تھے —

دونوں ہاتھ سر سے بلند کیے آگے بڑھنے لگے — فاروق
انھیں عمارت میں داخل ہوتے دیکھتا رہا — آخر عمارت کا دروازہ
بند کر دیا گیا — اب تو فاروق کو بہت الجھن ہونے لگی — اس سے
تو بہتر تھا — وہ بھی ان کے ساتھ ہی چلا آتا — اس طرح کم از
کم عمارت میں داخل تو ہو سکتا تھا — اس نے چند لمحوں کے لیے
سوچا — فصیل پہ اگر پہرے دار نہ ہوتے تو وہ عمارت کے اندر
داخل ہونے کی کوشش کر سکتا تھا —

آخر اس نے دور رہ کر عمارت کا چکر لگانے کا فیصلہ کیا —
یہ ایک مشکل کام تھا — فصیل پر موجود پہرے داروں میں سے کسی کی
نظر اس پہ پڑ سکتی تھی — لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا — درختوں

کی اوٹ لے لے کر وہ دائرے کی صورت میں آگے بڑھنے لگا —
یہاں تک کہ دائرہ مکمل ہو گیا، لیکن عمارت میں داخل ہونے کی کوئی
صورت نظر نہ آئی — اب اس کے سوا اور کوئی راستا نہیں تھا
کہ وہ فصیل پہ کھڑے ہوؤں سے دو دو ہاتھ کرے — اس
نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بیس کے قریب تو ضرور تھے اور
تھے بھی مسلح — اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا —
اچانک اسے اس کار کا خیال آیا — جس میں بیٹھ کر وہ یہاں
تک آیا تھا — اس خیال کے ساتھ ہی وہ واپس لوٹا اور سڑک
پر پہنچا — اس نے کار کی ڈکی کو کھول ڈالا — اندر لوہے کے
کچھ اوزار موجود تھے — ان سب کو اٹھا کر وہ پھر عمارت کی
طرف چل پڑا — عمارت کے نزدیک پہنچ کر اس نے ایک
پہرے دار پر نظریں جما دیں — پھر پلاس اس تیزی سے
کھینچ مارا، جیسے کوئی چاقو کا ماہر چاقو پھینکتا ہے —

فضا میں ایک چیخ بلند ہوئی — پہرے دار فصیل
سے نیچے آ گرا تھا — ساتھ ہی دوسرے پہرے داروں
کی آوازیں گونج اٹھیں:

"کیا ہوا — کیا ہوا؟"

پھر وہ سب اس جگہ جمع ہو گئے جہاں سے وہ
گرا تھا — جونہی انھوں نے اسے نیچے گرا دیکھا — فصیل

پر دوڑنے لگے— ان میں سے ایک نے چلا کر کہا:

"خبردار— یہ تم کیا کر رہے ہو— مسٹر ڈبرنگ کا حکم ہے— ہر کوئی اپنی جگہ موجود رہے۔"

لیکن اس کی کسی نے نہ سنی— سب دوڑتے چلے گئے، اور پھر عمارت کا دروازہ کھل گیا— وہ جلدی جلدی باہر نکلنے لگے— فاروق کے لیے یہ ایک نادر موقع تھا، اور اس سے اچھا موقع شاید اسے نہیں مل سکتا تھا— اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ— تیزی سے درخت بدلتا— دروازے کی طرف چلا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ مڑتے— فاروق دروازے میں داخل ہوگیا— اور اس کے داخل ہونے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی— سامنے ہی ایک چوڑی سڑک تھی— سڑک سے آگے عمارت کا اندرونی حصہ نظر آ رہا تھا— وہ اس طرف بڑھتا چلا گیا— عین اسی وقت اس نے ڈبرنگ کی گونج دار آواز سنی:

"یہ کیا ہو رہا ہے— کیا شور ہے۔"

"ہمارا ایک پہرے دار فصیل سے نیچے گر گیا ہے مسٹر ڈبرنگ۔"

"نیچے گر گیا ہے— لیکن کیسے—" ڈبرنگ کی آواز میں حیرت تھی۔

"ابھی تک یہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔"

"خبردار! میں خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں— اور اس کا مطلب ہے— فاروق ڈرائیور کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"لیکن سر— ہم نے یہاں کسی کو نہیں دیکھا۔"

"اور تم فاروق کو دیکھ بھی نہیں سکتے— وہ اندھا دھند نہیں چلا آئے گا— ٹھہرو— میں خود آ رہا ہوں— کہیں تم کام نہ خراب کر دو— وہ فاروق ہے— انسپکٹر جمشید کا بیٹا۔"

نہ جانے کیوں— فاروق کو ڈبرنگ کے یہ الفاظ سن کر بہت خوشی ہوئی، لیکن اب سامنے سے ڈبرنگ آنے والا تھا— زیادہ خوش ہونے کا موقع نہیں تھا— اس نے دائیں اور بائیں دیکھا— چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی— اس نے آگے کی طرف دوڑ لگا دی— اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا— پھر دروازے کے نزدیک پہنچتے ہی وہ دائیں طرف ہو گیا، اور عمارت کے عقب میں بڑھتا چلا گیا— جلدی اس نے بھاری قدموں کی آواز سنی— دیوار کی اوٹ سے اس نے دیکھا۔ ایک لمبے قد کا آدمی فصیل کی طرف تیزی سے جا رہا تھا— اس کے پیچھے تین آدمی اور تھے— وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا— جونہی وہ فصیل کے نزدیک ہوا، فاروق اوٹ سے نکلا اور اندر داخل ہو گیا— اب اس کے سامنے ایک بہت بڑا صحن تھا—

صحن کے چاروں طرف بڑے بڑے دروازے تھے۔ یہ دروازے
ضرور کمروں کے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ وہ
بے دھڑک اس طرف بڑھ گیا۔ نزدیک پہنچ کر اندر جھانکا۔
کمرے میں کوئی نہ تھا۔ دیوار کے ساتھ ایک مسہری موجود تھی۔
وہ فوراً مسہری کے نیچے رینگ گیا۔ اب اس نے سکون کا
سانس لیا۔ اسے حیرت بھی ہوئی کہ کرنل فارانی اور انسپکٹر
کاشان کو کہاں رکھا گیا ہے۔ انھیں تو اسی کمرے میں ہونا
چاہیے تھا۔ اس کمرے کے علاوہ باقی سب کمروں کے دروازوں
پر تالے لگے تھے۔ وہ انتظار کرتا رہا۔ آخر قدموں کی آواز
سنائی دی۔

"بینو کے ہوش میں آنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا
کہ وہ کیسے گرا۔ ویسے آس پاس تو کوئی بھی نہیں ہے، اور
ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ ڈرائیور تو فاروق کو ساتھ لے کر
آئے گا۔"

"لیکن جناب۔ اس نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔ میرے
خیال میں تو اسے اب تک آ جانا چاہیے تھا۔" شامر کی
آواز ابھری۔

"ہاں۔ یہ تو ہے۔ لیکن۔ بھئی ہو سکتا ہے۔ فاروق
نے ادھر کا رخ کیا ہی نہ ہو۔"

"پھر۔ اب ہم اس کا کب تک انتظار کریں گے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ جب آئے گا۔ اس کے ساتھیوں
کے پاس پہنچا دیں گے۔ اب ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔
ساتھ والے کمرے سے ان دونوں کو یہاں لے آؤ۔"

"او کے سر۔" شامر نے کہا۔

پھر جلد ہی قدموں کی آوازیں ابھریں:

"آیئے مسٹر کاشان۔ یہ تمہارے ساتھ کون صاحب ہیں۔
میں انھیں نہیں جانتا۔"

"یہ کرنل فارانی ہیں۔ شوکی برادرز کے انکل۔"

"اوہ اچھا۔ آپ لوگ اپنے گرفتار شدہ ساتھیوں کو دیکھنے
کے لیے بہت بے چین ہوں گے۔ خیر ابھی بے چینی رفع
ہو جاتی ہے۔ شامر اپنے ساتھ دس آدمیوں کو لے جاؤ۔
اور انھیں پنجروں سے نکال لاؤ۔"

"لیکن سر۔ کیا یہ خطرناک نہیں ہو گا۔" شامر بولا۔

"نہیں! اس لیے کہ انھیں بھوکا پیاسا رکھا گیا ہے۔ وہ
تو بھوک اور پیاس سے بالکل نڈھال ہیں۔ بلکہ مرنے کے
قریب ہوں گے۔ خطرناک کیا ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"بہت بہتر!" شامر نے کہا اور پھر قدموں کی آواز دور جانے
لگی۔

"فاروق کی گرفتاری کے ساتھ ہی یہ کیس ختم — ویسے سر — آپ نے اس کیس پہ خاص توجہ دی ہے۔"

"ہاں! اس لیے کہ — پڑوسی ملک بھی یہ چاہتا تھا کہ اجل گٹو کو تلاش کر کے ختم کر دیا جائے — اور اس کا نام و نشان نہ رہے — تاکہ پھر سے ریاست کا جھگڑا نہ شروع ہو سکے — ورنہ وہ کبھی نہ کبھی ریاست کے لوگوں کو ابھار سکتا تھا اور ریاست پڑوسی ملک کی بجائے — اس ملک کے ساتھ مل سکتی تھی۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی — پھر ڈبرنگ کی آواز ابھری:

"خوش آمدید انسپکٹر جمشید — اور دوسرے صاحبان۔"

پرانی کہانی

"مسٹر ڈبرنگ — یوں سمجھ لو کہ تم نے اللہ کے غضب کو آواز دی ہے۔" انسپکٹر جمشید کی مردہ آواز فاروق کے کانوں سے ٹکرائی۔ اسے ایک شدید جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب — میں سمجھا نہیں۔" ڈبرنگ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اپنے قیدیوں سے تم نے وہ انسانیت سوز سلوک کیا ہے۔ جو آج کی دنیا کا ظالم ترین انسان بھی نہیں کر سکتا۔"

"بھئی ذرا وضاحت کریں نا — میں نے کیا کیا ہے۔" ڈبرنگ ہنسا۔

"اچھا! تو تمہیں یہ بتانے کی ضرورت بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"ہاں! بتانے کی ضرورت ہے — پہلے آپ بتائیں — پھر میں بتاؤں گا کہ ضرورت کیوں ہے۔"

"بے ہوشی کی حالت میں ہمیں لوہے کے پنجروں میں بند

کیا گیا — اتنی موٹی سلاخوں والے پنجروں میں کہ ان کی سلاخیں بھی
آپس میں قریباً ملی ہوئی ہیں — بس باریک باریک سی جھریاں
ہیں ان کے درمیان — پھر یہ کہ قید کے دوران کھانے کو
کچھ دیا نہ پینے کو — دن میں صرف ایک گھونٹ چائے اور
ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا — پانی کا نصف گلاس — یہ تھا ہمارا
روز کا کھانا پینا۔" انھوں نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"بس — اس بات کو آپ ظلم کہہ رہے ہیں انسپکٹر جمشید؟"

"تو کیا یہ ظلم نہیں ہے؟"

"نہیں انسپکٹر صاحب — یہ تو عین رحم دلی ہے — اگر میں
ظالم ہوتا تو چائے کا ایک گھونٹ، ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا
اور پانی کا نصف گلاس بھی ہرگز آپ لوگوں تک نہ پہنچتا، اور اس
وقت تک تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر چکے ہوتے۔" ڈبرنگ بولا۔

"اگر یہ رحم دلی ہے تو پھر اس رحم دلی کا انجام
بھی تمھیں دیکھنا پڑے گا ڈبرنگ۔"

"مشکل ہے جناب — آپ اور آپ کے سب ساتھی اس
وقت میری قید میں ہیں — صرف ایک بچہ رہتا ہے — وہ بھی
آتا ہو گا — نہ جانے ڈرائیور نے اتنی دیر کیوں لگا دی، اور
آپ لوگ تو بھوک پیاس کی وجہ سے ہاتھ پیر بھی نہیں
ہلا سکتے — لہٰذا مجھ سے مقابلہ کرنے کا خیال بھی دل میں

نہیں لا سکتے — بچے کھچے دو حضرات ابھی ابھی لائے گئے ہیں — ان
میں ضرور کچھ سکت ہو سکتی ہے، لیکن ہم نے انھیں ایسی زنجیروں
سے جکڑ دیا ہے کہ ہل بھی نہیں سکتے — محمود کا چاقو بہت پہلے
ہم قبضے میں لے چکے ہیں۔"

"اس کے باوجود ظلم کا بدلہ دینا ہو گا — اس دنیا میں نہیں
تو اگلی دنیا میں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اگلی دنیا کے خواب دیکھتے رہو۔" ڈبرنگ ہنسا۔

"سوال یہ ہے کہ آج تم نے ہم سب کو پنجروں سے نکلوا
کر اپنے سامنے کیوں بلایا ہے؟"

"تم لوگوں کی ایک الجھن دور کرنے کے لیے — یہ بتانے
کے لیے کہ میں نے اجمل گٹو کو کیوں قتل کیا۔"

"اوہ اچھا — ہاں واقعی — یہ جاننے کے لیے تو ہم بہت
بے چین ہیں۔" فاروق نے محمود کی آواز سنی۔

"حیرت ہے — ابھی تک تم میں حیران ہونے کی سکت باقی
ہے؟"

"بس تھوڑی بہت باقی ہے۔" فرزانہ کی آواز ابھری۔

عین اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی —
"مسٹر ڈبرنگ! ڈرائیور آ گیا ہے۔"

"اوہ — اور اس کے ساتھ فاروق بھی ہے۔"

"نہیں — وہ اکیلا آیا ہے — فاروق تو اسے زخمی کر کے ادھر آ چکا ہے۔"

"اوہ —" ڈبرنگ کے منہ سے نکلا — پھر اس نے چلا کر کہا۔

"باہر پوری طرح نظر رکھو — وہ کسی نہ کسی درخت کے پیچھے چھپا ہو گا — میں اسے بھی ان لوگوں کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"او کے سر۔"

ایک بار پھر قدموں کی آواز سنائی دی — اور ڈبرنگ بولا:

"کیوں — تمہارے ساتھ کیا بیتی — ایک بچے سے مار کھا گئے؟"

"کار سے سائڈ ماری تھی مسٹر ڈبرنگ اس نے — میری گاڑی الٹ گئی — میں بے ہوش ہو گیا تھا۔"

"ہوں — خیر — اندر آ جاؤ — ان لوگوں کی درگت اپنی آنکھوں سے تم بھی دیکھ لو — فاروق بچ کر کہاں جائے گا۔"

"شکریہ مسٹر ڈبرنگ۔"

"کیا بات ہو رہی تھی — ہاں یاد آیا — اجل گٹو — کی بات کر رہا تھا — تو آپ لوگ اس وقت یہاں اس لیے جمع ہیں کہ اجل گٹو کا معاملہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے۔

لیکن میں تم لوگوں کو جان سے مارنے سے پہلے یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری زندگیوں کا آخری کیس جس میں تم کامیاب نہیں ہو سکے — آخر تھا کیا — اجل گٹو کون تھا — اسے کیوں ختم کیا گیا — اور اسے ختم کر کے مجھے ملا کیا — یہ ہیں وہ سوالات، جو آپ کے ذہنوں میں چبھ رہے ہوں گے — آپ لوگوں نے ریاست کماچل کا نام تو سنا ہو گا — بیس سال پہلے کی بات ہے — وہ ایک آزاد ریاست تھی — ریاست کا والی ایک دن اچانک مر گیا، تو اس کا بیٹا والی بن گیا، لیکن صرف ایک سال بعد وہ بھی مر گیا — اس کا ایک سالہ بیٹا تھا — اس کی بیوی اپنے ایک سالہ بچے کو لے کے محل سے غائب ہو گئی — وہ اس خیال سے غائب ہوئی تھی کہ اس کے سسر اور شوہر کو شوہر کے چھوٹے بھائی یعنی اس کے بچے کے چچا نے ہلاک کیا ہے — اور اب باری ہے اس کے بچے کی — بچے کو بچانے کے لیے وہ وہاں سے نکل گئے — اس کے بعد چچا نے ریاست پڑوسی ملک کو بیچ دی — اور خود غیر ممالک کی سیر کے لیے نکل گیا — اس کے بعد اس کا بھی کوئی پتا نہ چلا —

ایک دن مجھے ایک کیس دیا گیا — کیس یہ تھا کہ اس جنگل میں ایک جھونپڑی ہے — اس جھونپڑی میں ایک نوجوان آدمی رہتا

ہے۔ اس نوجوان کو قتل کرنا ہے اور اس طرح قتل کرنا ہے کہ کسی
کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یہ کام میرے لیے بھلا کیا
مشکل تھا۔ میں نے اپنے ایک کارندے کو فون پر ہدایات
دے دیں۔ وہ گیا اور اس کی جھونپڑی کو آگ لگا آیا۔ لیکن
اس وقت اجمل گٹو ایک درخت پر موجود تھا۔ اس لیے بچ گیا اور
شوکی برادرز کے پاس جا پہنچا۔ ادھر کیس دینے والے نے مجھ
سے مطالبہ کیا کہ اجمل گٹو کی لاش شہر کے کنارے ہر کسی کو
ملنی چاہیے۔ تاکہ مجھے یقین آ جائے کہ وہ مر چکا ہے۔ میں
نے پھر اپنے کارندوں کو جھونپڑی کی طرف بھیجا۔ انھوں نے
جب ملبے کو ٹٹولا تو اس میں کسی لاش کا نام و نشان نہ تھا۔
اس طرح ہمیں پتا چلا کہ وہ بچ گیا ہے۔ اب ہم اسے
کہاں تلاش کرتے۔ یہ بات بھی ہمیں کیس دینے والے نے
بتائی کہ اس نے شوکی برادرز سے مدد لی ہے۔ اس طرح ہم
شوکی برادرز کے پیچھے لگ گئے۔ ادھر ہم نے سراؤں کو بھی
چیک کرنا شروع کر دیا، ایک سرائے میں اجمل گٹو کا نام مل گیا۔
میں نے سرائے والے کو دھمکی دی کہ اجمل گٹو کو ہوٹل گلنار میں
چھپنے کا مشورہ دے۔ اس نے ایسا ہی کیا، اور اجمل گٹو ہوٹل
میں آ گیا۔ یہاں میں پہلے بھی کئی آدمیوں کو لا کر ٹھکانے لگا
چکا ہوں۔ کیوں کہ مسٹر گردھاری سے میرے پرانے

تعلقات ہیں۔" یہاں تک کہ کر ڈبرنگ خاموش ہو گیا۔

"اور۔ کیس تمھیں کس نے دیا تھا؟"

"پہلے تو مسٹر گردھاری نے اس معاملے کو راز رکھا تھا۔ لیکن
پھر میں نے ان کی آواز پہچان لی اور انھیں بتا بھی دیا کہ میں
سمجھ چکا ہوں۔ اجمل گٹو کی جان آپ لینا چاہتے ہیں تو انھوں
نے بھی انکار نہیں کیا۔"

"ہوں! تو یہ بات ہے۔ مسٹر گردھاری ہی اجمل گٹو کے چچا
ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بالکل ہوں۔ میں انکار نہیں کروں گا۔ یہ بھی سن لیں کہ
میں نے اجمل گٹو کو ختم کیوں کرایا ہے۔ جب کہ ریاست کا
جھگڑا تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اسے تو میں بیس سال پہلے
بیچ چکا ہوں، اور اب تک اس دولت کو دونوں ہاتھوں سے
اڑا رہا ہوں۔ لیکن ان بیس سالوں میں میں اجمل گٹو یا جو کچھ
بھی اس کا نام تھا۔ کو نہیں بھولا۔ وہ ہر وقت میری نظروں
کے سامنے رہا۔"

"آخر کیوں۔ جب معاملہ ختم ہو گیا تھا۔ تو تم اس
نوجوان کی تلاش میں کیوں رہے؟"

"یہ ٹھیک ہے۔ اپنے باپ کو میں نے زہر دے کر ہلاک
کیا تھا اور ایک سال بعد بڑے بھائی کو بھی زہر دے دیا۔

بڑے بھائی کی بیوی کو مجھ پر شک ہو گیا تھا — وہ اور تو کچھ نہ کر سکی — اپنے بچے کو لے کر غائب ہو گئی — لیکن اس نے صرف یہی نہیں کیا — اگر وہ صرف یہی کرتی تو میں ہرگز اس کی تلاش میں نہ رہتا۔"

"کیا مطلب — اس نے اور کیا کیا تھا۔"

"اس نے کیا یہ کہ وہ اپنے بچے کے ساتھ میرے بچے کو بھی لے اڑی تھی۔"

"کیا مطلب؟" وہ سب چونکے۔

"ہاں! میں نے اسے ہر طرف تلاش کرایا — لیکن اس کا سراغ نہ لگا تھا — پھر اپنے پروگرام کے مطابق ریاست کو بیچ کر اس عورت کی تلاش شروع کر دی، لیکن وہ مجھے نہ ملی، ہاں بیس سال بعد اس کا بیٹا ضرور نظر آیا — یہ بتانا بھول گیا کہ غائب ہونے کے بعد اس نے پہلا کام یہ کیا کہ میرے بچے کو جان سے مار دیا تھا — اس نے ایک خط مجھے لکھا تھا — اس میں لکھا تھا — تم میرے سسر اور شوہر کے قاتل ہو — میں تم سے اس جرم کا بدلہ اس طرح لے رہی ہوں کہ پہلے تو میں نے تمہارے بیٹے کو اغوا کیا — پھر قتل کر دیا — اب تم تمام عمر اپنے بچے کو یاد کرتے رہو گے — یہی ہے ظلم کا بدلہ — یہی ہے کیے کی سزا — اس

نے ٹھیک ہی لکھا تھا — اپنا بچہ مجھے رہ رہ کر یاد آیا — پھر میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی — میں نے اپنے آپ سے عہد کیا کہ اسے اور اس کے بچے کو تلاش کر کے قتل کروں گا — میں اسے تلاش کرتا رہا، کرتا رہا، لیکن — وہ نہ ملی، بیس سال بعد نظر آیا بھی، تو اس کا بیٹا — لہذا میں یہ موقع کس طرح گنوا سکتا تھا — میں نے خود سے عہد کر رکھا تھا — اس طرح میں نے ڈبرنگ سے رابطہ قائم کیا، میں نے ان کا بہت نام سن رکھا تھا — اس طرح انھوں نے اجمل گوڈ کو ٹھکانے لگایا۔" یہاں تک کہہ کر گردھاری خاموش ہو گیا۔

"یہ — یہ نہیں ہو سکتا —" انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی —

"کیا مطلب — کیا نہیں ہو سکتا۔" گردھاری کی آواز سنائی دی —

"ایک عورت یہ ظلم نہیں کر سکتی — وہ کسی معصوم بچے کا گلا نہیں گھونٹ سکتی — جب کہ خود بھی ماں ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس نے خط میں یہی لکھا تھا۔" گردھاری نے تیز آواز میں کہا۔

"نہیں — اس نے لکھا ضرور ہو گا — لیکن ایسا کیا نہیں ہو گا۔"

"کیا مطلب؟" گردھاری نے چیخ کر کہا۔

"مسٹر گردھاری — میں نہیں جانتا — حقیقت کیا ہے — لیکن میرا اندازہ یہی ہے کہ اس عورت نے — یعنی آپ کی بھابی نے آپ کے بچے کو ہلاک ہرگز نہیں کیا ہو گا — انتقام لینے کے لیے یہ لکھ ضرور دیا ہو گا کہ آپ کے بچے کو اس نے قتل کر دیا ہے۔"

"ہاں — لیکن پھر — میرا بچہ کہاں ہے — میرا بیٹا — اب تو وہ بیس سال کا ہو گیا ہو گا — یہاں تو ہمیں صرف اجمل گگو ہی نظر آیا تھا۔"

"آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ آپ کے بھائی کا لڑکا اجمل گگو ہے۔"

"اس کی شکل اور صورت دیکھ کر — اس قسم کے نقوش ہمارے خاندان کے ہی ہو سکتے ہیں — آپ میرے چہرے کو غور سے دیکھ لیں — اگرچہ اب اس چہرے پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہیں — لیکن اس کے باوجود اجمل گگو کا ناک نقشہ میرے چہرے پر بھی نظر آئے گا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"تب تو — تب تو آپ کے بیٹے کی شکل صورت بھی اجمل گگو سے ملتی جلتی ہو گی۔"

"ہاں! لیکن اسے اس عورت نے قتل کر دیا تھا — یہ آپ کا خیال ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا ہو گا۔"

"ہوں! مجھے ایک بہت خوف ناک احساس ہو رہا ہے۔"

"آپ اپنے خوف ناک احساس کو اپنے پاس رکھیں — مسٹر ڈبرنگ — اب ان سب لوگوں کا خاتمہ بھی ضروری ہو گیا ہے۔"

"ہاں! یہ ہمارے لیے اپنی زندگی بچانے کے لیے لازمی کام ہے — آپ فکر نہ کریں — میں ان سب کو آپ کی آنکھوں کے سامنے ڈھیر کیے دیتا ہوں۔"

"ہاں! میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ انھیں مردہ حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں — تاکہ پھر زندگی بھر مجھے ان کے خیالات آ آ کر پریشان نہ کریں۔"

"کیوں نہیں — یہ بے چارے تو پہلے ہی آدھ موئے ہوئے پڑے ہیں — ان میں رکھا ہی کیا — میرے پستول میں آٹھ گولیاں ہیں اور یہ ہیں کل دس — آٹھ کو گرا کر میں دو گولیاں اور بھر لوں گا — اس کام میں مجھے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔"

"ہوں! ٹھیک ہے — اب یہ دیر کیسی۔" گردھاری کی آواز ابھری۔

"مسٹر گردھاری — کاش آپ نے مجھے بات مکمل کرنے دی ہوتی۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

"کوئی ضرورت نہیں — میرے ذہن کو الجھانے کی کوشش نہ کریں، میں جانتا ہوں — اس عورت نے میرے بیٹے کو ہلاک کر دیا تھا اور بدلے میں میں نے اس کے بیٹے کو قتل کرا دیا۔"

"اور اس سے پہلے جو آپ نے اپنے والد اور بڑے بھائی کو ہلاک کیا — اس کا بدلہ بھی تو آپ کو دینا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں — تم لوگوں کا نام دنیا سے مٹ جانے کے بعد کون ہے — جو اجل گنگو کا مسئلہ اٹھائے گا — ابن انسپکٹر جمشید — اب تم جاؤ — تمہارے پیچھے تمہارے باقی ساتھی بھی آ رہے ہیں — رہ گیا تمہارا وہ بیٹا — جو پیچھے رہ گیا ہے — وہ بھی کسی درخت کے پیچھے سکڑا سمٹا مل جائے گا — پہلے نمبر پر تم ہی جاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے ڈبرنگ نے ٹریگر دبا دیا — پستول چلنے کی آواز کمرے میں گونج اٹھی — لیکن کسی کی چیخ سنائی نہ دے سکی — اس کا ہاتھ یک دم اوپر اٹھ گیا تھا، اور پھر پستول بھی ہاتھ سے نکل گیا۔

رقعہ

"بہت ہو چکی — اب مجھ سے مسہری کے نیچے اور نہیں لیٹا جا رہا تھا — بہت تنگ جگہ ہے نیچے —" فاروق کی آواز کمرے میں گونجی۔

"ہائیں — فاروق — یہ — یہ تم ہو؟" محمود کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"نہیں — یہ میں نہیں ہوں — ہاں! یہ میری روح ضرور ہے۔" فاروق مسکرایا — پھر وہ غرایا۔

"خبردار — تم میں سے کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرے، ورنہ میرا نشانہ اتنا کچا نہیں ہے۔"

ڈبرنگ نے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن پھر فاروق کی آواز سن کر رک گیا — اب وہ آگے بڑھا اور انسپکٹر کاشان اور کرنل فارانی کی زنجیروں کا بند کھول ڈالا — دونوں نے زنجیروں سے آزاد ہوتے ہی — باقی لوگوں کو بھی کھول دیا —

"باہر بھی کچھ لوگ موجود ہیں — اصل مسئلہ ان کا ہے۔" فاروق

بڑبڑایا۔

"میں اور کرنل صاحب — ان کا انتظام کر آتے ہیں۔"

"لیکن کیسے — فصیل پر بھی آدمی موجود ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"تب پھر؟" انسپکٹر کاشان بولے۔

"آپ دونوں دروازے کے باہر کھڑے ہو جائیں — میرا مطلب ہے — اوٹ میں ہو جائیں — مسٹر ڈبرنگ باری باری ان لوگوں کو آواز دیں گے — جو بھی آتا جائے گا — یہ ان کے سروں پر کوئی شان دار سی چیز مارتے چلے جائیں گے، اور انھیں گیٹ کی ایک طرف بھی کرتے جائیں گے۔"

"ترکیب اچھی ہے۔"

"لیکن ابا جان — مسٹر ڈبرنگ کیوں اپنے آدمیوں کو باری باری آواز دینے لگے؟"

"انھیں آواز دینے کی ضرورت نہ پہلے تھی — نہ اب ہے — یہ گھنٹی بجا کر بلاتے رہے ہیں — اور گھنٹی کس نے بجائی ہے، اس کے آدمی یہ ہرگز نہیں پہچان سکیں گے۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔"

اس ترکیب پر عمل شروع ہوا — آدھ گھنٹے میں ڈبرنگ کے تمام آدمی بے ہوش ہو چکے تھے اور انھیں باندھ دیا

گیا تھا — ڈبرنگ اور گردھاری کو بھی باندھ دیا گیا۔

"اب ہمارا قافلہ شہر روانہ ہو گا۔" انسپکٹر کاشان بولے۔

"ابا جان — وہ خوف ناک بات تو رہ ہی گئی۔"

"اوہ ہاں! ویسے یہ میرا صرف خیال ہے — جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"آپ کا خیال مشکل سے ہی غلط ہو سکتا ہے — خیر آپ بتائیں تو سہی۔" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

"مسٹر گردھاری کی بھابی اپنے اور ان کے بچے کو لے کر بھاگی تھیں — اور انھیں خط لکھ دیا کہ اس نے ان کے بچے کو قتل کر دیا ہے — لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ہو گا — ایک ماں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"تب پھر — ان کا بیٹا کہاں ہے۔" کرنل فارانی بولے۔

"اس نے جھونپڑی میں شروع سے ایک بچے کو پالا ہو گا — اسے ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہا ہو گا کہ گردھاری کے آدمی تلاش کرتے ہوئے اس تک پہنچ جائیں گے — اسے اور اس کے بچے کو قتل کر دیں گے — لہذا — میرا خیال ہے — اس نے اپنے بچے کو کسی یتیم خانے میں داخل کرا دیا ہو گا — اور مسٹر گردھاری کے بچے کو اپنے ساتھ رکھا ہو گا — یہاں تک کہ جھونپڑی میں — وہ — جوان ہو گیا ہو گا۔"

"کیا — نہیں — نہیں —" گردھاری پوری قوت سے چلایا — اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"اب چیخنے چلانے سے کچھ نہیں ہو گا مسٹر گردھاری — انسان اپنا بویا ہی کاٹتا ہے — اپنے گھناؤنے جرم کو دیکھو — تم نے اپنے باپ کو قتل کیا — اپنے بھائی کو قتل کیا — قدرت نے تم سے اپنے بیٹے کو قتل کرا دیا —"

"نہیں — یہ غلط ہے — میرا بیٹا تو بیس سال پہلے اس عورت کے ہاتھوں مارا گیا تھا — اسے آخر کیا ضرورت تھی — اپنے دشمن کے پالنے کی — پال پوس کر جوان کرنے کی؟"

"بعض اوقات — قدرت عجیب کھیل کھیلتی ہے — انسان سوچتا کچھ ہے — ہوتا کچھ ہے — محل سے فرار ہوتے وقت اس کا پروگرام بھی یہی ہو گا کہ اس بچے کا گلا گھونٹ دے گی، لیکن اس سے یہ کام نہ ہو سکا اور وہ اسے پالنے پر مجبور ہو گئی — لیکن تم سے اسے انتقام بھی لینا تھا — اس لیے بچہ واپس نہ کیا — اور خط لکھ دیا کہ اس نے بچے کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عورت کا اپنا بچہ زندہ ہے — اس نے شاید کسی یتیم خانے میں پرورش پائی ہے — اور اب وہ جوان ہو چکا ہو گا — لیکن شاید اسے خود بھی معلوم

نہ ہو گا کہ وہ کون ہے — اس کے ماں باپ کون تھے، اور یہ کہ وہ ایک ریاست کا والی تھا — وغیرہ —"

"یہ صرف ایک خیال ہے — اور خیال بالکل غلط بھی ہو سکتا ہے — آپ کے پاس اس بات کا کوئی بھی تو ثبوت نہیں ہے۔"

"ہاں! یہ بات بالکل ٹھیک ہے — میرے پاس ثبوت واقعی نہیں ہے — لیکن میرا دل کہتا ہے — کہ ہوا اسی طرح ہے۔"

"ہوا ہو گا — میں نہیں مانتا۔"

"تم مانو یا نہ مانو — جیل میں بھی تمھیں یہی خیال ستاتا رہے گا — کہیں تم نے خود اپنے بیٹے کو تو قتل نہیں کر دیا۔"

"نہیں ستائے گا — ایک غلط خیال کی کیا جرأت ہے کہ مجھے ستائے۔"

"چلیے — چلیں —" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

اور یہ قافلہ شہر کی طرف چل پڑا — راستے میں انھیں جھونپڑی کا ملبہ بھی نظر آیا — ایسے میں اچانک فاروق کو ایک بات یاد آ گئی۔

"اوہو — وہ دو چیزیں تو رہ ہی گئیں — جو ہوٹل کے کمرے میں سے محمود اور فرزانہ کو ملی تھیں — آخر وہ کیا تھیں؟"

"ہاں! ان کو تو ہم بھی بھول گئے — ویسے وہ کوئی خاص چیزیں نہیں تھیں — ہم نے تو ان کو ایک نظر دیکھ لینے کے

بعد ان کی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی — وہ دو بڑے بڑے سے موتی تھے — سرخ رنگ کے موتی — ایک مجھے الماری کے نیچے سے ملا تھا — دوسرا فرزانہ کو راکھ میں سے ملا تھا — بالکل بے قیمت موتی۔"

"م — م — موتی — سرخ موتی۔" گردھاری نے ہکلا کر کہا۔

"ہاں! سرخ موتی — لیکن بالکل نقلی موتی۔"

"م — میں — میں ان کو دیکھنا چاہتا ہوں —" اس نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"ضرور کیوں نہیں —" محمود نے کہا اور پھر دونوں موتی نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

گردھاری کا رنگ دودھ کی طرح سفید پڑ گیا — پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا:

"اُف مالک — یہ — یہ تو وہی دونوں موتی ہیں — جو میری بیوی نے اپنے بچے کے گلے میں ڈالے تھے۔"

"کیا کہا — اس طرح تو میرا خیال درست ثابت ہو گیا — موتی ہمیشہ تمہارے بیٹے نے اپنے پاس رکھے —" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"اُف — تت — تو کیا — تو کیا — میں خود اپنے بیٹے کا قاتل ہوں۔"

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

"نہیں — میں نہیں مانتا — اس چالاک عورت نے میرے بیٹے کو ہلاک کرنے کے بعد یہ موتی اپنے بیٹے کے گلے میں ڈال دیے ہوں گے — جوان ہونے پر بھی یہ دونوں اس کے گلے میں رہے۔"

"وہ بہت عقل مند عورت تھی — اس نے تو تمہارا جُرم بھانپ لیا تھا — پھر بھلا وہ یہ غلطی کس طرح کر سکتی تھی — وہ تو چاہتی تھی — تم تلاش کرتے کرتے — خود اپنے بیٹے تک پہنچ جاؤ — اور اس کے قاتل بن جاؤ — اور قتل کرنے کے بعد جب ان موتیوں کو دیکھو تو جان لو — کہ تم نے اس کے نہیں — اپنے بیٹے کو ہلاک کیا ہے۔"

"پپ — پتا نہیں کیوں — میرا ذہن الجھ گیا ہے —" اس نے جھلا کر کہا۔

"ابھی کیا ہے — ابھی تو اور الجھے گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

وہ شہر پہنچے — مجرموں کو حوالات میں بند کر دیا گیا — پھر وہ شوکی برادرز کے گھر آئے — کیس پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ شوکی کی والدہ بول اٹھیں:

"حیرت ہے — اس سارے معاملہ میں اس انگوٹھی کا کہیں کوئی عمل دخل نظر نہیں آیا۔"

"اوہ ہاں — اس کو تو ہم بھول ہی گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم اسے شہر کے بہترین جوہری کو دکھا چکے ہیں — اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"ایک نظر مجھے بھی دکھا دیں — شاید کوئی بات نظر آ جائے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

شوکی کی والدہ انگوٹھی نکال لائیں — انسپکٹر جمشید اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے — آخر انھوں نے کہا:

"واقعی — یہ ایک بالکل معمولی سی انگوٹھی ہے — لیکن۔"

"اور یہ لیکن کہاں سے ٹپک پڑا —" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

انھوں نے انگوٹھی کا نگینہ ایک چاقو کی مدد سے اکھاڑ ڈالا — دوسرے ہی لمحے ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تہ کیا ہوا موجود تھا۔

"ارے!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

جلدی جلدی کاغذ کو کھولا گیا — تحریر پڑھتے ہی انسپکٹر جمشید اٹھ کر کھڑے ہوئے اور بولے:

"آؤ بھئی — گردھاری سے ملنا پڑ گیا ہے۔"

حوالات کے سامنے پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا:

"مسٹر گردھاری — یہ ایک چیز اور ملی ہے — لو پڑھ لو — معاملہ صاف ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک انگوٹھی — اجمل گنگو نے شوکی برادرز کو معاوضے کے طور پر دی تھی — اس کے نگینہ کے نیچے سے یہ رقعہ نکلا ہے — اس کے الفاظ تم خود پڑھ لو۔"

گردھاری دوڑ کر سلاخوں تک آیا — اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے رقعے کے الفاظ پڑھے — الفاظ یہ تھے:

"اجمل گنگو میرا نہیں — میرے دشمن کا بیٹا ہے — میرا بیٹا ایک یتیم خانے میں پلا ہے — میں نے اس سے ملنے کی پھر کوشش نہیں کی — کہ کہیں گردھاری اس تک نہ پہنچ جائے — میں خود بھی نہیں جانتی — میرا بیٹا اب کہاں ہو گا — لیکن میں اتنا جانتی ہوں — میرا دشمن اس تک کبھی نہیں پہنچ سکے گا — اسے تو خود میں نے گم کر دیا ہے۔"

رقعہ اس کے ہاتھ سے گر گیا — اس کی آنکھیں پتھرا گئیں — انھیں یوں لگا — اب وہ کبھی سلاخوں کے پاس سے ہٹ کر حوالات کے فرش پر نہیں بیٹھ سکے گا۔
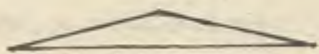
فائدے ہی فائدے

XXXXXXXXXXXXXXXXXX

- آئندہ ماہ "پیغام کا بھوت" شائع ہو رہا ہے ـــ
- آپ ۱۶/۰۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے یا منی آرڈر کر کے یہ ناول ٹھیک وقت پر گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں ـــ
- ۱۶ روپے کے ساتھ اگر آپ مزید ۴/۰۰ روپے ارسال کریں تو ۵/۰۰ روپے والا اپنی پسند کا کوئی سا پرانا ناول (فہرست کے مطابق) منگوا سکتے ہیں ـ
- اگر آپ ۱۶ + ۴ + ۵ = ۲۵ روپے ارسال کریں تو آپ کو "پیغام کا بھوت"، "چاند ستارے" اور "نیا جرم" بذریعہ رجسٹری بھیج دیا جائے گا ـ
- اگر آپ "چاند ستارے" کے سابقہ شمارے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو فی شمارہ ۴/۰۰ روپے کا اضافہ کر کے ارسال کریں ـ
- ناول بر وقت حاصل کر کے آپ اب ہر ماہ دیے جانے والے ۳۷۰/۰۰ روپے کے نقد انعامات میں حصے دار بن سکتے ہیں ـــ
- ناول اور چاند ستارے بر وقت حاصل کر کے آپ جلد از جلد جوابات ارسال کریں ـــ
- انعامات پہلے موصول ہونے والے درست جوابات پر دیے جاتے ہیں ـ

ـــــ ہیں نا فائدے ہی فائدے ـــــ

۲۰۰۰۰ روپے کے نقد انعامات

خُونی پہلو کا انعامی سوال

سوال: مُردہ خانے میں اجمل گٹو کا چہرہ دیکھ کر فاروق اُلجھن میں کیوں پڑ گیا تھا ؟

- موصول ہونے والے سب سے پہلے پانچ درست جوابات پر فی کس ۱۰۰،۰۰ روپے کا نقد انعام روانہ کیا جائے گا ـــ
- انعامی سوال کا جواب اسی صفحے پر نیچے دیے گئے کوپن میں لکھیں اور دیے گئے نشان سے کوپن کاٹ کر مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کریں :

اشتیاق احمد، ڈی ۸/۶ سٹیلائٹ ٹاؤن، جھنگ، پوسٹ کوڈ ۳۵۲۰۶

ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ یہاں سے کاٹیے ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

ـــ خُونی پہلو ـــ

- انعامی سوال: مُردہ خانے میں اجمل گٹو کا چہرہ دیکھ کر فاروق اُلجھن میں کیوں پڑ گیا تھا ؟
- جواب: ____________________

____

- بھیجنے والے کا نام: ____________________
- پتا: ____________________

____
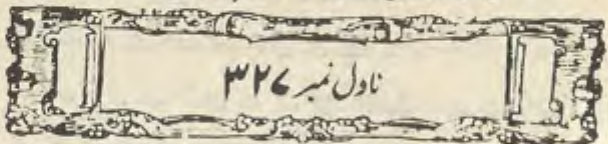
- وہ عجیب چیز اکرام کو عجیب حالات میں ملی تھی۔
- آئی جی صاحب نے انسپکٹر جمشید کو ایک اور عجیب چیز دکھائی۔
- شہر کے ایک مشہور ترین آدمی کو قتل کی دھمکی۔
- اس مشہور آدمی نے انسپکٹر جمشید کو فون کیا۔
- انہیں وہاں جانا پڑا ۔ مشہور ترین آدمی کی حفاظت کے لیے انہیں کیا کیا پاپڑ بیلنا پڑے ۔ کتنے خطرات مول لیے۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ کے انوکھے معرکے ۔ آپ قدم قدم پر چونکیں گے۔
- ایک تحریر ۔ جس کے الفاظ حد درجے پُراسرار تھے۔
- انسپکٹر جمشید وہ تحریر دیکھ کر حیران رہ گئے۔
- کرائے کے ایک خوف ناک قاتل سے ملیے۔
- وہ اس قاتل کے غنڈوں سے کس طرح ٹکرائے ۔ بے پناہ ایکشن ۔
- ایک مکمل جاسوسی ناول ۔ جس میں ایکشن کی بھرمار ہو گی۔
- لیکن یہ ایکشن بلا جواز نہیں ہوگا۔
- انسپکٹر جمشید حیرت انگیز طور پر میدان عمل میں ۔ ان گنت انکشافات کرتے ہیں۔
- یہ ناول پڑھتے وقت آپ محسوس کریں گے ۔ کہیں اشتیاق احمد کی دس سال پہلے کے زمانے میں واپسی تو نہیں ہو گئی۔
- لیجیے میری واپسی پڑھ لیجیے ۔ مجرموں کی واپسیاں تو آپ پڑھتے ہی رہتے ہیں۔

- آخر میں جب مجرم آپ کے سامنے آئے گا تو آپ دھک سے رہ جائیں گے۔
- یہ ناول ان لوگوں کے لیے چیلنج ہے ۔ جو یہ کہتے ہیں ۔ ہم تو ناول کے شروع میں ہی مجرم کو پہچان لیتے ہیں ۔ یا نصف ناول میں ہی پہچان جاتے ہیں۔
- لیکن میرا کہنا ہے ۔ آپ آخر تک نہ جان سکیں گے۔
- اس بار کا مجرم آپ کو ناکوں چنے چبوا دے گا۔
- اس نے آپ کے کرداروں کو بھی ایک ایسی جگہ قید کر دیا ۔ جہاں سے نکلنا ناممکن تھا۔
- کیا وہ اس ناممکن کو ممکن بنا سکے۔
- مدتوں یاد رہنے والا ناول ۔

اور ——— اب انعامی سکیم

- موصول ہونے والے سب سے پہلے بیس درست جوابات پر فی کس ۱۰۰ ۱۰۰۰ روپے کا نقد انعام دیا جائے گا۔
- آپ فوری طور پر ناول حاصل کرنے کی ترکیب کریں۔
- ۱۶/۰۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ دفتر کے پتے پر ارسال کر دیں۔ ناول آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کر دیا جائے گا۔
- یا اپنی کاپی بک سٹال پر بک کروا لیں۔
- یا پھر اپنے ہاکر کو نوٹ کروا دیں۔

ایک غلط فہمی

- "ایک شان دار پیش کش" کے سلسلے میں قارئین ایک عدد غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں ۔
- صرف ۲/۰۰، روپے ارسال کرنے والے قارئین کو "چاند ستارے" دو سال کے لیے جاری نہیں کیا جائے گا ۔
- ہاں : چاند ستارے کے سالانہ چندے کے ساتھ منی خاص نمبر کا سالانہ چندہ یا ارسلان سیریز کا سالانہ چندہ ارسال کریں گے تو اس صورت میں ضرور دو سال کے لیے ناول اور رسالہ ارسال کیا جائے گا ۔
- اور جو حضرات پہلے ہی چاند ستارے کے سالانہ خریدار ہیں ۔ انھیں بھی چاند ستارے کے ۲/۰۰، روپے ارسال کرنے کی ضرورت نہیں ، وُہ صرف منی خاص نمبر یا منی خاص نمبر اور ارسلان سیریز کا سالانہ چندہ ارسال کریں ۔ اور ساتھ میں تحریر کردیں کہ وُہ چاند ستارے کے پہلے ہی دو سالہ خریدار ہیں ۔ لہٰذا انھیں ایک ہی پیکٹ ارسال کیا جا سکے گا ۔

ادارہ

مسئلہ ختمِ نبوّت

○○○○○○○○○○○○○○○○○

مرزا کا ایک سفید جھوٹ

مرزا اپنی کتاب "کشتی نوح" کے صفحہ نمبر ۸، (مطبوعہ ربوہ) پر لکھتا ہے :

" تاہم مسلمانوں کے لیے صحیح بخاری نہایت متبرک اور مفید کتاب ہے ۔ یہ وہی کتاب ہے جس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ۔"

مرزائیوں کو چیلنج

ثابت کیا جائے ، بخاری شریف میں یہ بات کہاں لکھی ہے ۔ ورنہ مرزائیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیں ۔